مئی
1996

تدبر
لاہور

زیرِ نگرانی:

مولانا امین احسن اصلاحی

مُدیر:

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

اِدارۂ تدبرِ قرآن و حدیث

لاہور - پاکستان

نئی اشاعت

امام حمید الدین فراہی علیہ الرحمتہ کی مندرجہ ذیل تالیف مطالعہ فرمایئے

حکمت قرآن

موضوعات:

امام فراہیؒ کا تصور حکمت
حکمت کا مفہوم
حکمت کی اصل اور اس کی فروع
حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول
حکمت اور قرآن حکیم
حکیم کا طرز فکر و تعلیم
دین اسلام کا نظام
مذاہب پر غور کا طریقہ
دین اسلام کی بنیادیں

ترجمہ — خالد مسعود

قیمت = /75 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122 - [illegible] لاہور 54600

فون - 7595200

زیرِ نگرانی:

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:

خالد مسعود

تدبر لاہور

مئی 1996ء

شمارہ نمبر 53

ذوالحجہ 1416ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

دینی صحافت	محبوب سبحانی	2

تدبر قرآن

تفسیر سورہ کہف	خالد مسعود	4

تدبر حدیث

طہارت اور استنجا کے مسائل	امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی	16
دیت کے احکام	امین احسن اصلاحی / سعید احمد	28

افادات فراہیؒ

تلاش نظم میں مہ اشارات	خالد مسعود	38

مقالات

غزوہ حنین	خالد مسعود	41

مجلسِ ادارت:

عبداللہ غلام احمد

ماجد خاور

محبوب سبحانی

سعید احمد

قیمت: /۱۰ روپے
سالانہ: /۴۰ روپے
بیرون ملک: /۲۰۰ روپے

ناشر: اِدارہ تدبرِ قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

مطبع: المطبعۃ العربیۃ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ
محبوب سبحانی

دینی صحافت

ہمارے ملک میں بکثرت دینی جرائد شائع ہوتے ہیں۔ شائد ان کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ بالعموم یہ مختلف دینی تنظیموں' اداروں اور مدارس کی نمائندگی کرتے' دینی معاملات میں اپنے قارئین کی اپنے اپنے نقطہ نظر سے رہنمائی کرتے اور ان کو اپنی کارکردگی سے آگاہ رکھتے ہیں۔ ان میں بہت کم ایسے جرائد ہیں جو قومی مسائل یا سیاسی امور سے بھی کچھ سروکار رکھتے ہیں لیکن یہ امور ان کی دلچسپی کا اصل موضوع نہیں ہوتے۔ معدودے چند رسائل علمی و تحقیقی مضامین کے حامل ہیں اور علمی دنیا میں ان کا اپنا ایک مقام ہے۔

جہاں تک صحافت کا تعلق ہے اس کا تعلق خبروں سے اور ان کے تجزیہ سے ہوتا ہے۔ اخبارات صحافت کے عنوان میں سرفہرست ہیں اور بعض ہفتہ وار رسالے بھی صحافت کی تعریف پر پورا اترتے ہیں۔ ہماری معلومات کی حد تک ملکی دینی جرائد میں شائد ہی کسی رسالے کو صحافت کے دائرہ میں شمار کرنا ممکن ہو۔ اس صورت حال میں کسی ماہنامہ کا "دینی صحافت" کے نام سے شائع ہونا ہمارے لیے اچنبھے کا باعث ہے۔ تاہم اس نام کا ماہنامہ ملک کے نہایت موقر ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز' نصر چیمبرز' ایف 7 مرکز' اسلام آباد کے زیر اہتمام تقریباً" تین سال سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کے مدیر سجاول خان رانجھا ہیں۔ زر تعاون 25 روپے فی شمارہ ہے۔

اس ماہنامہ کے پیش نظر ملک کے مذہبی طبقہ کے فکری رجحانات کو اجاگر کرنا اور ملکی معاملات میں ان کی آراء کو قومی حلقوں تک پہنچانا ہے یہ ایک قابل قدر قومی خدمت ہے۔ اس کے علاوہ رسالہ میں ایسے مضامین بھی شامل کر لیے جاتے ہیں جو عالم اسلام کے بارے میں اہل مغرب کے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوں یا جن کا تعلق ایسے بین الاقوامی امور سے ہو جو مذہبی حلقہ کی توجہ چاہتے ہوں۔ اس اعتبار سے یہ جریدہ ایک اہم ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ دینی صحافت میں مذہبی طبقہ کے نوے جرائد کو مسلکی اعتبار سے تقسیم کرکے ان کی علیحدہ فہرستیں دی جاتی ہیں' نیز موضوعات کے اعتبار سے مضامین کے عنوانات کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اس درجہ بندی سے بہ آسانی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اہل دین کی دلچسپیوں کے مضامین کونسے ہیں اور ملکی و قومی امور کا وہ کونسا دائرہ ہے جس میں وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ لہٰذا اس رسالہ سے ملکی سیاست میں جرائد کا رول متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ فاضل مدیر دینی جرائد کے اداریوں کے اقتباسات یا ملخص شائع کرتے ہیں جس سے ان کے مندرجات کا اجمالی خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر اپریل 96ء کا شمارہ ہے۔ اس میں امریکی ادارہ سی آئی اے کے ایرانی امور کے ماہر اہل کار ہیڈورڈ۔ ڈی شرلے کے مضمون "کیا ایران کا حال الجزائر کا مستقبل ہے؟" کا ترجمہ شامل ہے۔ یہ مضمون اس لحاظ سے بہت مفید ہے کہ اس سے الجزائر' ایران اور عالم اسلام کے متعلق امریکی سوچ کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس شمارہ میں فاضل مدیر کا ایک مضمون "دینی جماعتیں۔ بنیادی اصلاح کے چند غور طلب پہلو" شامل ہے۔ جس میں انہوں نے دینی جماعتوں پر بے رحمانہ تنقید کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "معاشرتی قدروں سے آپ ناآشنا ہیں۔ عوام کی نفسیات سے نابلد آپ ہیں۔ علم' تقویٰ اور وسائل کا زعم آپ میں بھرا ہے اور باہر کی دنیا میں برائیاں ہی برائیاں ہیں جو آپ کی نظروں میں ہیں۔ سوائے ان (بلیک) ہولز کے جو آپ میں ہیں جن کی اگر کوئی نشاندہی کر بیٹھے تو آپ کو اختلاج ہونے لگتا ہے' ماتھے پر بل پڑ جاتا ہے اور دل میں گرہ لگ جاتی ہے"۔

ہمارے نزدیک یہاں فاضل مدیر کا لب و لہجہ ثقاہت سے گر گیا ہے۔ یہ تنقید مبالغہ آمیز ہے۔ دینی جماعتوں کی اصلاح کے لیے مشورے دیتے ہوئے ایک جگہ کہتے ہیں۔ "پیغام بذات خود اتنا اہم نہیں جتنا کہ اس کا پہنچنا"۔ یہ بات ناقابل فہم ہے۔ پیغام کے مقابلہ میں اس کا ابلاغ کیونکر زیادہ اہم ہو سکتا ہے۔

فاضل مدیر اپنے اداریہ اور مضمون دونوں میں جگہ جگہ ایسے انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کے متبادل ہماری قومی زبان میں موجود ہیں۔ بہتر ہو گا کہ وہ اردو الفاظ ہی سے اپنا مافی الذہن ادا کیا کریں۔

معلوم ہوتا ہے مذہبی جرائد کے منتظمین اپنے پرچے باقاعدگی سے دینی صحافت کو نہیں بھیجتے۔ لہٰذا فاضل مدیر نے زیر نظر شمارہ میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ پرانے جرائد دینی صحافت کے پلیٹ فارم پر موجود رہیں کیونکہ اگر ایک دفعہ ان کو فہرست سے نکال دیا گیا تو دوبارہ اس میں ان کا آنا مشکل ہو گا' کیونکہ کئی نئے جریدے اس میں داخلہ پانے کی کوشش میں ہیں۔ اس ضمن میں معلوم نہیں کس زعم میں فاضل مدیر کے قلم سے یہ جملہ بھی نکل گیا ہے کہ "دینی صحافت کے مس کرنے کو یقیناً" آپ افورڈ نہیں کر سکتے"۔ ہمارے نزدیک رسالہ کے اس حیثیت کو پانے میں ابھی خاصی محنت درکار ہے اور اس پر وقت لگے گا۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ کہف

شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اس نے کوئی کج پیچ نہیں رکھا○ بالکل ہموار اور استوار تاکہ وہ اپنی جانب سے جھٹلانے والوں کو ایک سخت عذاب سے آگاہ کر دے اور ایمان لانے والوں کو، جو نیک اعمال کر رہے ہیں، اس بات کی خوش خبری سنا دے کہ ان کے لیے بہت اچھا اجر ہے○ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے○ اور ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد بنائی ہوئی ہے آگاہ کر دے○ ان کو اس باب میں کوئی علم نہیں، نہ ان کو نہ ان کے آباء و اجداد کو۔ نہایت ہی سنگین بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ یہ محض جھوٹ ہے جو وہ بک رہے ہیں—○ ۵

تو شاید تم ان کے پیچھے اپنے تئیں غم سے ہلاک کر کے رہو گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے ○ روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو زمین کے لیے سنگار بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کا امتحان کریں کہ ان میں اچھے عمل کرنے والا کون بنتا ہے○ اور ہم بالآخر اس پر جو کچھ ہے سب کو چٹیل میدان کر کے رہیں گے—○ ۸

کیا تم نے کہف و رقیم والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کچھ بہت عجیب خیال کیا!○ جب کہ کچھ نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور دعا کی کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت بخش اور ہمارے اس معاملے میں ہمارے لئے رہنمائی کا سامان فرما○ تو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر کئی برس کے لیے تھپک دیا○ پھر ہم نے ان کو بیدار کیا کہ دیکھیں دونوں گروہوں میں سے کون مدت قیام کو زیادہ صحیح شمار میں رکھنے والا نکلتا ہے○ ۱۲

ہم تمھیں ان کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں مزید افزونی عطا فرمائی○ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا جب کہ وہ اٹھے اور کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم یہ حق سے نہایت ہی ہٹی ہوئی بات کہیں گے○ یہ ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا کچھ دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ یہ ان کے حق میں واضح دلیل کیوں نہیں پیش کرتے! تو ان سے بڑا ظالم کون ہو گا جو خدا پر جھوٹ باندھیں—○ ۱۵

اور اب کہ تم ان کو اور ان کے معبودوں کو، جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے ہیں، چھوڑ کر الگ ہو گئے ہو تو غار میں پناہ لو، تمھارا رب تمھارے لیے اپنا دامن رحمت پھیلائے گا اور تمھارے اس مرحلہ میں تمھارے کام کا سامان مہیا فرمائے گا○ ۱۶

اور تم دیکھتے سورج کو کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب کو بچا رہتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان سے بائیں طرف کو کترا جاتا ہے اور وہ اس کے صحن میں ہیں— یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی راہ یاب ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو تم اس کے لیے کوئی دستگیری کرنے والا اور رہنمائی کرنے والا نہیں پا سکتے○ ۱۷

اور تم ان کو جاگتا گمان کرتے حالانکہ وہ سو رہے ہوتے اور ہم ان کو داہنے بائیں کروٹیں بھی بدلواتے اور ان کا کتا دونوں ہاتھ پھیلائے دہلیز پر ہوتا۔ اگر تمھاری نظر ان پر پڑ جاتی تو تم وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تمھارے اندر ان کی دہشت سما جاتی○ ۱۸

اور اسی طرح ہم نے ان کو جگایا کہ وہ آپس میں پوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک پوچھنے والے نے پوچھا، تم یہاں کتنا ٹھہرے ہو گے؟ وہ بولے ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھہرے ہوں گے۔ بولے تمھاری مدت قیام کو تمھارا رب ہی بہتر جانتا ہے۔ پس اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ رقم دے کر شہر بھیجو تو وہ اچھی طرح دیکھ لے کہ شہر کے کس حصہ میں پاکیزہ کھانا ملتا ہے اور وہاں سے تمھارے لیے کھانا لائے اور چاہیے کہ وہ دبے پاؤں جائے اور کسی کو تمھاری خبر نہ ہونے دے○ اگر وہ تمھاری خبر پا جائیں گے تو تمھیں سنگسار کر دیں گے یا تمھیں اپنی ملت میں لوٹا لیں گے اور پھر تم کبھی فلاح نہ پا سکو گے○ ۲۰

اور اسی طرح ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ شدنی ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ وقت بھی خیال کرو جب لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے تو بولے کہ ان کے غار پر ایک عمارت بنوا دو۔ ان کا رب ان کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ ان کے معاملے میں غالب آئے انھوں نے کہا کہ ہم تو ان کے غار پر ایک مسجد بنائیں گے○ ۲۱

اب یہ کہیں گے یہ تین تھے، ان کا چوتھا ان کا کتا تھا اور کہیں گے یہ پانچ تھے ان کا چھٹا ان کا کتا تھا، بالکل انکل پچو! اور کہیں گے یہ سات تھے اور ان کا آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو میرا رب ہی ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے۔ ان کو بس تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں اور تم ان کے باب میں نہ بحث کرو مگر ٹالنے کے انداز میں اور ان کے باب میں ان میں سے کسی سے نہ پوچھو○ اور کسی امر کے لیے یوں نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کر دوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور جب تم بھول جایا کرو تو اپنے رب کو یاد کرو اور یہ کہو کہ امید ہے کہ میرا رب اس سے بھی کم مدت میں صحیح بات کی طرف میری رہنمائی فرما دے○ ۲۴

اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو سال مزید براں۔ کہہ دو اللہ ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے۔ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اسی کے علم میں ہے۔ کیا ہی خوب ہے وہ دیکھنے والا اور سننے والا۔ اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور وہ اپنے اختیار میں کسی کو ساجھی نہیں بناتا○ ۲۶

اور تمھارے رب کی جو کتاب تم پر وحی کی جا رہی ہے اس کو سناؤ۔ خدا کے قوانین کو کوئی بدل

نہیں سکتا اور اس کے سوا تم کوئی پناہ نہیں پا سکتے○ اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جمائے رکھو جو صبح و شام اپنے رب کی رضا جوئی میں اس کو پکارتے ہیں۔ اور تمھاری نگاہیں حیات دنیا کی زینتوں کی خاطر ان سے ہٹنے نہ پائیں اور تم ان لوگوں کی بات پر دھیان نہ کرو جن کے دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیے ہیں اور جو اپنی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں اور جن کا معاملہ حد سے متجاوز ہو چکا ہے"○ اور کہہ دو یہی حق ہے تمھارے رب کی جانب سے' تو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو اپنے گھیرے میں لے لیں گی۔ اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا' چہروں کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی برا پانی ہو گا! اور کیا ہی برا ٹھکانا!○ ۲۹

بے شک جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے عمل کیے تو ہم خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ ان کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہاں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سندس و استبرق کی سبز پوشاک پہنیں گے' تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے" کیا ہی خوب صلہ ہے اور کیا ہی خوب ٹھکانا○ ۳۱

اور ان کو دو شخصوں کی تمثیل سناؤ۔ ان میں سے ایک کے لیے ہم نے انگوروں کے دو باغ بنائے' ان کو کھجوروں کی قطار سے گھیرا اور ان کے درمیان کھیتی کے قطعات بھی رکھے○ دونوں باغ خوب پھل لائے' ان میں ذرا کمی نہیں کی۔ اور ان کے بیچ بیچ میں ہم نے نہر بھی دوڑا دی○ اور اس کے پھلوں کا موسم ہوا تو اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا میں تم سے مال میں بھی زیادہ اور تعداد کے اعتبار سے بھی زیادہ طاقت ور ہوں○ اور وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنی جان پر آفت ڈھا رہا تھا"۔ اس نے کہا کہ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی برباد ہو جائے گا○ اور میں قیامت کے آنے کا بھی گمان نہیں رکھتا اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا ہی گیا تو اس سے بھی بہتر مرجع پاؤں گا○ ۳۶

اس کے ساتھی نے بحث کرتے ہوئے کہا' کیا تم نے اس ذات کا انکار کیا جس نے تم کو مٹی سے بنایا' پھر پانی کی ایک بوند سے' پھر تم کو ایک مرد بنا کر کھڑا کیا○ لیکن میرا رب تو وہی اللہ ہے اور میں اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا○ اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ جو کچھ ہے سب اللہ کا فضل ہے۔ اللہ کے بدون کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں"۔ اگر تم مال و اولاد کے اعتبار سے مجھے اپنے سے کم دیکھتے ہو○ تو امید ہے کہ میرا رب تمھارے باغ سے بہتر باغ مجھے دے اور تمھارے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی گردش بھیجے کہ وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے○ یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تم اس کو کسی طرح نہ پا سکو○ ۴۰

اور اس کے پھلوں پر آفت آئی تو جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ اے کاش! میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بناتا○ اور

اس کے پاس نہ تو کوئی جتھا تھا جو خدا کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود ہی انتقام لینے والا بن سکا○ اس وقت" سارا اختیار صرف خدائے برحق ہی کا ہے اور وہ بہترین اجر اور بہترین انجام والا ہے○ ۴۴

اور ان کو اس دنیوی زندگی کی تمثیل سناؤ کہ اس کو یوں سمجھو کہ بارش ہو جس کو ہم نے آسمان سے اتارا' پس زمین کی نباتات اس سے خوب ابھریں' پھر وہ چورا ہو جائیں جس کو ہوائیں اڑائے لیے پھریں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے○ مال و اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ باعتبار ثواب اور باعتبار امید تمھارے رب کے نزدیک بہتر ہیں"○ اس دن کا خیال کرو جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ بالکل عریاں ہو گئی ہے اور ہم ان کو اکٹھا کریں گے تو ان میں سے کسی کو چھوڑیں گے نہیں○ اور وہ سب کے سب صف بستہ تیرے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے۔ ہم کہیں گے تم ہمارے پاس اسی طرح آئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا" بلکہ تم نے گمان کیا کہ ہم تمھارے حساب کے لیے کوئی یوم موعود نہیں مقرر کریں گے○ اور رجسٹر پیش کیا جائے گا" تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں ہے اس سے لرزاں ہیں اور کہیں گے ہائے ہماری شامت! یہ رجسٹر عجب ہے جس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ نوٹ کرنے سے چھوڑا ہے نہ کوئی بڑا گناہ۔ اور جو کچھ انھوں نے کیا ہو گا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا○ ۴۹

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے' وہ جنوں میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ تو کیا تم اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا اپنا کارساز بناتے ہو' درآنحالیکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ ظالموں کے لیے کیا ہی برا بدل ہے"○ اور میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرتے وقت بلایا اور نہ خود انھی کو پیدا کرتے وقت بلایا اور میں گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بنانے والا نہ تھا○ ۵۱

اور یاد کرو جس دن وہ فرمائے گا کہ بلاؤ تو میرے شریکوں کو جن کو تم نے میرا شریک گمان کیا تو وہ ان کو بلائیں گے لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک مہلکہ حائل کر دیں گے"○ اور مجرم دوزخ کو دیکھیں گے اور گمان کریں گے کہ وہ اسی میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی مفر نہیں پائیں گے○ ۵۳

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے ہر قسم کی تشبیہات گوناگوں پہلوؤں سے بیان کر دی ہیں لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے"○۔ اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کے پاس خدا کی ہدایت آ چکی ہے' ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت مانگنے سے نہیں روکا ہے مگر اس چیز نے کہ وہ چاہتے ہیں کہ خدا کا وہی معاملہ ان کے لیے بھی ظاہر ہو جائے جو اگلوں کے لیے ظاہر ہوا یا عذاب الٰہی ان کے سامنے سے نمودار ہو جائے○ اور رسولوں کو تو ہم صرف خوش خبری دینے والا اور

خبردار کرنے والا بنا کر بھیجتے ہیں۔ اور یہ کافر باطل کی مدد سے کٹ حجتیاں کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے حق کو پسپا کر دیں اور انھوں نے میری آیات کو اور اس چیز کو جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے' مذاق بنا رکھا ہے○ اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جن کو ان کے رب کی آیات کے ذریعے سے یاددہانی کی جائے تو وہ اس سے اعراض کریں اور اپنے ہاتھوں کی کرتوت کو بھول جائیں۔ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دی ہے کہ اس کو نہ سنیں۔ اس وجہ سے تم ان کو ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ وہ کبھی ہدایت پانے والے نہیں ہیں○ اور تمھارا رب بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ اگر وہ ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً" پکڑنا چاہتا تو ان پر فوراً" عذاب بھیج دیتا لیکن ان کے لیے ایک مقررہ وقت ہے اور وہ اس کے مقابل میں کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے[۲۹]○ اور یہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ ان کے لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کیا○ ۵۹

اور یاد کرو[۳۰] جب کہ موسیٰؑ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچ جاؤں یا اسی طرح سال ہا سال چلتا ہی رہوں گا○ پس جب وہ ان کے ملنے کی جگہ پہنچے تو وہ اپنی مچھلی بھول گئے اور اس نے دریا میں اپنی راہ لی[۳۱]○ پس جب وہ آگے بڑھ گئے تو موسیٰؑ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ اب ہمارا کھانا لاؤ' ہمارے اس سفر سے تو ہم کو بڑی تکان ہو گئی ○ اس نے کہا کیا عرض کروں' جب ہم نے چٹان کے پاس پناہ لی تو میں مچھلی کو بھول گیا' اور یہ شیطان ہی تھا جس نے اس کو یاد رکھنے سے مجھے غافل کر دیا' اور اس نے عجیب طرح اپنی راہ دریا میں نکال لی ○ اس نے کہا' یہی تو ہمیں مطلوب تھا! پس وہ اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے واپس لوٹے○ تو انھوں نے پایا ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو جس کو ہم نے اپنے خاص فضل سے نوازا تھا اور جس کو خاص اپنے پاس سے علم عطا فرمایا تھا[۳۲]○ ۶۵

موسیٰؑ نے اس سے درخواست کی کہ کیا میں آپ کے ساتھ بایں شرط رہ سکتا ہوں کہ جو علم آپ کو عطا ہوا ہے آپ اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھائیں○ اس نے جواب دیا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے○ اور آخر جو باتیں تمھارے دائرہ علم سے باہر ہوں گی ان پر تم سے صبر ہو بھی کیسے سکے گا [۳۳]○ اس نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ میں کسی معاملے میں بھی آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا○ ۶۹

اس نے کہا اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو یہ شرط ہے کہ کسی چیز کے متعلق مجھ سے اس وقت تک کچھ نہ پوچھیو جب تک میں خود ہی اس کا کچھ ذکر نہ چھیڑوں○ بالآخر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے اس میں چھید کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا کیا یہ چھید آپ نے اس میں اس لیے کیا ہے کہ اہل کشتی کو غرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی ہی عجیب حرکت کی○ اس نے کہا' میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے○ موسیٰؑ نے کہا میری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجئے

اور میرے معاملہ میں زیادہ سخت گیری نہ فرمایئے ○ ۷۳

پھر چلے' یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔ موسیٰؑ نے کہا آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی قصاص کے قتل کر ڈالا! یہ تو آپ نے بڑی ہی منکر بات کی [۳۴]○ اس نے کہا' میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے○ موسیٰؑ نے کہا' اب اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی امر کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھیے گا۔ آپ میری جانب سے حد عذر کو پہنچ گئے○ پھر چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک بستی والوں کے پاس تو ان سے کھانا کھلانے کی درخواست کی لیکن انھوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ تو انھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی' وہ دیوار اس نے کھڑی کر دی۔ موسیٰؑ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری بھی ٹھہرا لیتے○ اس نے کہا بس اب میرے اور تمھارے درمیان یہ جدائی ہے[۳۵]۔ میں اب تمھیں ان باتوں کی حقیقت بتاؤں گا جن پر تم صبر نہ کر سکے ○ ۷۸

کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے' میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور ان کے پرے ایک بادشاہ تھا جو تمام کشتیوں کو زبردستی ضبط کر رہا تھا[۳۶]○ ۷۹

رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ باایمان تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بڑا ہو کر سرکشی و ناشکری سے ان پر تعدی نہ کرے○ پس ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان کو اس کی جگہ ایک ایسا فرزند عطا فرمائے جو پاکیزہ نفسی میں اس سے بہتر اور مروت و دردمندی میں اس سے بڑھ کر ہو[۳۷]○ ۸۱

اور رہا دیوار کا معاملہ تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اس کے نیچے ان کا دفینہ تھا اور ان کا باپ ایک صالح آدمی تھا۔ تیرے رب نے یہ چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا دفینہ نکالیں[۳۸]۔ یہ تیرے رب کی عنایت سے ہوا۔ اور یہ جو کچھ میں نے کیا اپنی رائے سے نہیں کیا[۳۹]۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے○ ۸۲

اور وہ تم سے ذوالقرنین کے بابت سوال کرتے ہیں[۴۰]۔ کہہ دو' میں تم کو اس کا کچھ سبق آموز احوال سناؤں گا○ ہم نے اس کو زمین میں بڑا اقتدار بخشا تھا اور اس کو ہر قسم کے اسباب و وسائل سے بہرہ مند کیا تھا○ پس وہ ایک مرتبہ وسائل کے درپے ہوا○ یہاں تک کہ وہ سورج کے غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا[۴۱]۔ اس کو دیکھا کہ گویا وہ ایک سیاہ چشمے میں ڈوبتا ہے۔ اور اس کے پاس اس کو ایک قوم ملی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین' چاہو ان کو سزا دو' چاہو ان کے ساتھ حسن سلوک کرو[۴۲]○ اس نے کہا جو ان میں سے ظلم کا مرتکب ہو گا تو اس کو تو ہم بھی سزا دیں گے' پھر وہ اپنے رب کی طرف بھی لوٹایا جائے گا اور وہ اس کو نہایت سخت عذاب دے گا○ رہا وہ جو ایمان اور عمل صالح اختیار کرے گا تو اس کے لیے اللہ کے پاس بھی اچھا بدلہ ہے اور ہم بھی اس کے ساتھ آسان معاملہ کریں گے[۴۳]۔ ○ ۸۸

پھر اس نے ایک اور مہم کی تیاری کی○ یہاں تک کہ جب وہ طلوع آفتاب کے مقام پر پہنچا تو اس نے اس کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جس کے لیے آفتاب کے بالمقابل ہم نے کوئی پردہ نہیں رکھا تھا[۹۴]○ ایسا ہی ہم نے کیا اور ہم اس کے احوال سے خوب باخبر تھے○ ۹۱

اس نے پھر ایک اور مہم کی تیاری کی○ یہاں تک کہ دو پہاڑوں کے درمیان کے درے تک جا پہنچا۔ ان دونوں پہاڑوں کے ورے اس کو ایسے لوگ ملے جو کوئی بات سمجھ نہیں پاتے تھے[۹۵]○ انھوں نے درخواست کی کہ اے ذوالقرنین' یاجوج و ماجوج ہمارے ملک میں فساد مچاتے رہتے ہیں[۹۶] تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کے لیے خرچ کا بندوبست کر دیں اور آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دیں○ اس نے جواب دیا کہ میرے رب نے جو کچھ میرے تصرف میں دے رکھا ہے وہ کافی ہے البتہ تم ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو' میں تمھارے اور ان کے درمیان ایک اوٹ کھڑی کیے دیتا ہوں○ میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ۔ یہاں تک کہ جب بیچ کے خلا کو بھر دیا' حکم دیا کہ اس کو خوب دھونکو۔ یہاں تک کہ جب اس کو آگ کر دیا حکم دیا کہ اب تانبا لاؤ اس پر انڈیل دوں○ پس نہ تو وہ اس پر چڑھ ہی سکتے تھے اور نہ اس میں نقب ہی لگا سکتے تھے○ اس نے کہا یہ میرے رب کا ایک فضل[۹۷] ہے۔ پس جب میرے رب کے وعدے کا ظہور ہو گا اس کو ہموار کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ شدنی ہے○ ۹۸

اور اس دن ہم چھوڑ دیں گے' وہ ایک دوسرے سے موجوں کی طرح ٹکرائیں گے اور صور پھونکا جائے گا پس ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے[۹۸]○ اور اس دن ہم جہنم کو ان کافروں کے روبرو پیش کریں گے○ جن کی آنکھوں پر ہماری تنبیہ سے پردہ پڑا رہا اور وہ سننے کی تاب نہیں لاتے تھے○ ۱۰۱

کیا ان کافروں نے گمان کیا کہ وہ میرے بندوں کو میرے سوا اپنے لیے کارساز بنا لیں گے؟ ہم نے کافروں کے لیے جہنم بطور ضیافت تیار کر رکھی ہے○ ۱۰۲

کہو' کیا ہم تمھیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں○ وہ لوگ جن کی تمام سعی اس دنیا کی زندگی کے پیچھے اکارت گئی اور وہ گمان کرتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں[۹۹]○ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا۔ پس ان کے اعمال اکارت گئے اور قیامت کے دن ہم ان کو ذرا بھی وزن نہ دیں گے○ یہی جہنم ان کا بدلہ ہے بوجہ اس کے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا○ ۱۰۶

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے فردوس کے باغوں کی ضیافت ہے○ جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہیں گے○ ۱۰۸

کہہ دو اگر میرے رب کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی نشانیوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کے ساتھ اسی کی مانند اور سمندر ملا دیں[۱۰۰]○ ۱۰۹

کہہ دو کہ میں تو بس تمھاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود بس ایک ہی معبود ہے۔ پس جو اپنے رب کی ملاقات کا متوقع ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے○ ۱۱۰

تفسیر سورہ کہف

مضمون: دنیا کی کامیابیاں مغرور کفار کو حق کی مخالفت پر جری کر دیتی اور اہل حق کا طویل ابتلا ان کو پریشان کر دیتا ہے تو یہ خدا کی حکمتوں کو نہ سمجھنے کے سبب سے ہے۔ ان حکمتوں کی وضاحت۔

۱۔ یعنی قرآن میں کوئی کج پیچ نہیں' نہ بیان کے اعتبار سے کہ اس کی زبان عربی ہے اور نہ معنی کے اعتبار سے کہ یہ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی دیتا ہے۔

۲۔ یہاں مراد مشرکین عرب بھی ہیں اور نصاریٰ بھی۔ فرمایا کہ یہ غلط عقیدہ اگلوں نے بے دلیل اختیار کیا اور پچھلے محض ان کی تقلید میں یہ حماقت کر رہے ہیں۔

۳۔ فرمایا کہ دنیا دارالامتحان ہے۔ امتحان کے تقاضے سے ہم نے اس دنیا کے چہرے پر حسن و زیبائی کا ایک پرفریب غازہ مل دیا ہے جس کے باعث اس میں بڑی کشش اور دل فریبی ہے۔ لیکن اس کی تلخیاں پس پردہ ہونے کے باعث لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس کے بالمقابل آخرت کے طالبوں کو جو کامرانیاں حاصل ہونے والی ہیں وہ ان سے اس دنیا کے فوائد کی قربانی چاہتی ہیں۔ یہ امتحان ایک سخت امتحان ہے جس میں پورا اترنا ہر بوالہوس کا کام نہیں۔

۴۔ کہف کے معنی غار کے ہیں اور رقیم اس بستی کا نام ہے جہاں سے نکل کر کچھ نوجوانوں نے غار میں پناہ لی۔ ان کا واقعہ عیسائیوں کی تاریخ میں رومیوں کے ہاتھوں ان کے ابتلا کے زمانے کا ہے۔ نصاریٰ ہی نے اس واقعہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور مکہ کی اس وقت کی صورت حال سے مماثلت کے باعث قرآن نے اس کا جواب دیا۔

۵۔ یہ سرگزشت کا خلاصہ ہے جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

۶۔ یعنی ان صاحب ایمان نوجوانوں کے لیے حالات نہایت سخت تھے۔ کلمہ حق کی دعوت دینا بڑا جان جوکھم کا کام تھا لیکن ان کے ایمان میں خدا نے برکت دی اور وہ ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر دعوت توحید کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور قوم کے بے دلیل مذہب کی غلطی اس پر واضح کی۔ یاد رہے کہ نبی ﷺ پر ایمان لانے والوں کی اکثریت بھی نوجوانوں پر مشتمل تھی۔

۷۔ یہ کلام اس وقت کا ہے جب اصحاب کہف اور ان کی قوم کے درمیان کشمکش اتنی بڑھ گئی کہ قوم ان کو سنگسار کرنے پر تیار ہو گئی۔ اس وقت انھوں نے ایک غار میں پناہ گزین ہونے کا فیصلہ کیا۔ جب خدا کے بندے ہمت

کرکے اس کی راہ پر چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو آگے کی منزل کے لیے زاد راہ وہ خود فراہم کرتا ہے۔ اصحاب کہف نے اسی بات کی بشارت پائی۔

۸۔ یہ غار میں ضروریات زندگی کے غیبی انتظام کی تفصیل ہے۔ غار کے اندر ہوا، روشنی اور حرارت، جو زندگی کی ضروریات میں سے ہیں، بہ آسانی پہنچتی تھیں لیکن آفتاب کی تمازت اس کے اندر راہ نہیں پاتی تھی۔

۹۔ ان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ ان کے سونے کی ہیئت ایسی تھی جیسے کچھ لوگ ذرا دم لینے کے لیے بس لیٹ گئے ہیں۔ وہ دائیں بائیں کروٹ لیتے اور ان کا وفادار کتا غار کے دہانے پر یوں بیٹھا سوتا رہتا جیسے وہ پہرہ دے رہا ہے۔ اس منظر پر اتفاق سے کسی کی نظر پڑ جائے تو اس پر ایک انجانے قسم کا خوف طاری ہوتا اور وہ دہشت زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا۔

۱۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو نیند سے بیدار کیا کہ ان کے اندر باہم اس امر میں سوال و جواب ہو کہ یہ خواب کی حالت ان پر کتنی مدت طاری رہی اور بالآخر وہ اس نتیجہ تک پہنچیں کہ اس مدت کا اندازہ کرنے سے وہ بالکل قاصر ہیں۔ یہیں سے ان پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے کہ قیامت کے روز برزخ کی زندگی کی مدت کا اندازہ کرنے سے بھی ہر شخص قاصر رہے گا۔

۱۱۔ مطلب یہ کہ احتیاط اور رازداری نہایت ضروری ہے۔ اگر کہیں لوگوں کو ہماری اس پناہ گاہ کی خبر ہو گئی تو پھر ہماری خیر نہیں ہے اور وہ اندیشے حقیقت بن جائیں گے جن کے باعث ہم نے یہاں پناہ لی ہے۔

۱۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ نشانی دکھائی کہ لوگوں کو ان سے باخبر کر دیا تاکہ ان پر واضح ہو کہ قیامت کے ظہور میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ جس طرح اصحاب کہف ایک طویل مدت تک سوتے رہنے کے بعد اپنے رب کے حکم سے پھر اٹھ بیٹھے اسی طرح مرنے کے بعد اللہ کے حکم سے دوبارہ جی اٹھنا ہرگز بعید از قیاس نہیں۔

۱۳۔ معلوم ہوتا ہے اصحاب کہف کی یادگار قائم کرنے کی بحث اس وقت پیدا ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے اسی غار میں ان کو وفات دے دی۔ ان جانبازوں کی قربانیوں کے نتیجہ میں شہر میں یہ انقلاب حال واقع ہوا کہ مختلف گروہ اور فرقے ان کے ساتھ قرب کے مدعی بن کر اٹھ کھڑے ہوئے تو موحد اور خداپرست لوگوں کی تعمیر مسجد کی رائے ان کی اکثریت کے باعث غالب رہی۔

۱۴۔ یعنی یہ نہ سمجھو کہ سوال کرنے والے اس تفصیل کو سن کر قائل ہو جائیں گے اور ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں گے۔ ان لوگوں کو بحث و مناظرہ کا روگ لگا ہوا ہے۔ اس لیے وہ تعداد کا سوال اٹھائیں گے۔ تم ان کے ساتھ بحث میں الجھنے کی بجائے ان کو خوبصورتی سے ٹال دینا۔ اصحاب کہف کی تعداد سے صرف اللہ تعالیٰ واقف ہے۔

۱۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال پوچھا گیا تو آپؐ نے وحی کی رہنمائی کے بھروسہ پر وعدہ کر لیا کہ میں کل اس سوال کا جواب دے دوں گا۔ یہاں ہدایت فرمائی کہ نبی کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ کوئی غیر مشروط وعدہ کر بیٹھے، ہر وعدہ خدا کی مشیت کی شرط کے ساتھ کرنا چاہیے۔ کیونکہ خدا کی تمام حکمتیں آدمی کے سامنے نہیں ہوتیں۔

۱۶۔ یعنی سوال کرنے والے تعداد کی طرح اصحاب کہف کی مدت قیام کے بارے میں بھی بحث اٹھائیں گے کہ تین سو نو سال غار میں سوئے رہے۔ فرمایا کہ ان کی مدت قیام کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

۱۷۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ان غریب وفادار ساتھیوں کی طرف متوجہ ہونے کی ہدایت دی ہے جو اگرچہ دولت دنیا سے محروم تھے لیکن ایمان کی دولت سے مالا مال اور شب و روز اللہ کی یاد اور اس کے دین کی دعوت میں سرگرم تھے۔ اس کے ساتھ آپ کو قوم کے سرداروں اور مالداروں کی نازبرداری سے روکا ہے جن کے ایمان کی فکر آپ کو دین کی سربلندی کی خاطر لاحق تھی۔ فرمایا کہ یہ سنت الٰہی کی زد میں آئے ہوئے لوگ ہیں۔

۱۸۔ جنت اور دوزخ کے احوال کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اس لیے دوزخ کے تانبے یا جنت کے کنگن اور سندس و استبرق کی پوشاکوں کی حقیقت یہاں نہیں معلوم کی جا سکتی۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

۱۹۔ اس تمثیل کے ذریعہ سے مومن اور کافر دونوں کی ذہنیت واضح فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے ان کا اصل مغالطہ یہ تھا کہ وہ دنیا کی کامیابی کو اپنے فکر و عمل کی صحت و صداقت کی دلیل سمجھ بیٹھے تھے۔ جب مسلمان ان کو خدا اور آخرت سے ڈراتے تو وہ کہتے کہ جب دنیوی اعتبار سے ہمارا حال تم سے اچھا ہے تو لازماً" ہمارا ہی عقیدہ بھی صحیح ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ حقیقت کو اس وقت سمجھیں گے جب برق خرمن سوز ان کے سارے خرمن کو خاکستر کرکے رکھ دے گی۔

۲۰۔ یعنی وہ اپنی دولت و ثروت پر غرور کرتا اور اکڑتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔

۲۱۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ توحید کا مطالبہ یہ بھی ہے کہ بندہ کو جو نعمت بھی ملے اس کو خدا کا فضل و عطیہ سمجھے، اس کے لیے برابر اپنے رب کا شکرگزار رہے، اس کے باب میں اپنے آپ کو خدا کے آگے مسئول سمجھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ خدا جب چاہے اس نعمت کو چھین سکتا ہے۔

۲۲۔ اس وقت سے مراد ساعت عذاب ہے جب بدکاروں کی کچھ پیش نہیں جاتی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو بہترین ثواب اور بہترین انجام سے نوازتا ہے۔

۲۳۔ یہاں دنیا کی جس زندگی کی تمثیل دی گئی ہے اس سے مراد لہو و لعب، عیش و عشرت اور تفاخر و تکاثر کی وہ زندگی ہے جس میں پھنس کر امرا حقائق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ دنیا کی جتنی زینتیں ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی دنیا کی محبت میں اندھے ہو جانے والوں کے ساتھ جانے والی نہیں۔ صرف آدمی کے اعمال صالحہ اس کے ساتھ جائیں گے۔

۲۴۔ یعنی جس طرح تم دنیا میں خالی ہاتھ گئے تھے اسی طرح آج خالی ہاتھ تم ہمارے پاس حاضر ہو گئے۔ نہ آج تمہارے ساتھ تمہارے خدم و حشم ہیں اور نہ وہ اموال و اسباب جن پر تم دنیا میں نازاں تھے۔

۲۵۔ رجسٹر سے مراد لوگوں کے اعمال کا دفتر ہے جس میں ہر چھوٹا بڑا، اچھا یا برا، عمل درج ہو گا۔

۲۶۔ یہ آدم و ابلیس کے ماجرے کا حوالہ دے کر غیرت دلائی ہے کہ بے شرمو، تم نے اسی ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا کارساز اور معبود بنا رکھا ہے جس نے قیامت تک کے لیے اولاد آدم کو دشمنی کا چیلنج دے رکھا ہے۔ یہ تم نے خدا کو چھوڑ کر نہایت ہی برا بدل اپنے لیے تلاش کیا ہے۔

۲۷۔ ھلکۃ یعنی تباہی اور ہلاکت کا کھڈ۔

۲۸۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن نے تو عالم غیب اور آخرت کے کتنے حقائق گوناگوں پہلوؤں سے بیان کیے ہیں تاکہ لوگ ان سے نتیجہ حاصل کریں لیکن وہ ان سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کوئی نہ کوئی پہلو اعتراض کا ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔

۲۹۔ یہ سبب بتایا جا رہا ہے اس بات کا کہ جب یہ ایسے نابکار لوگ ہیں کہ یہ کبھی ہدایت قبول کرنے والے نہیں ہیں تو آخر ان کو بار زمین بنائے رکھنے کا کیا فائدہ۔ کیوں نہ ان کے اوپر عذاب بھیج کر ان کو ختم ہی کر دیا جائے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ برے اعمال کی پاداش میں برے لوگوں کو فوراً نہیں پکڑا کرتا بلکہ اس نے ان کی گرفتاری کے لیے ایک وقت ٹھہرا رکھا ہے۔ جب وہ وقت آ جائے گا تو یہ اس کی گرفت سے بھاگ نہیں سکیں گے۔

۳۰۔ یہاں سے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ترجیحی سفر کی سرگزشت یہ واضح کرنے کے لیے سنائی ہے کہ اگرچہ اس دنیا میں بظاہر سرکشوں کو ڈھیل ملتی ہے اور اہل حق مختلف قسم کی آزمائشوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیے جاتے ہیں لیکن یہ سب کچھ ارادۂ الٰہی کے تحت اور اس کی حکمتوں کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ انسان کا محدود علم ان حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں بعض لوگ جادۂ حق پر ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔ کائنات کی اس رمز کو سمجھنا صبر کی تربیت کے لیے بہت ضروری ہے۔

۳۱۔ معلوم ہوتا ہے حضرت موسیٰؑ کو دو دریاؤں کے مقام اتصال پر پہنچنے کا حکم ہوا تھا۔ انھوں نے سفر کی طوالت کے باعث کھانے کے لیے مچھلی ساتھ رکھ لی۔ جب وہاں کچھ ستانے کے بعد چلے تو شاگرد مچھلی اٹھانا بھول گئے اور جب اسے لینے کو مڑے تو وہ تڑپ کر پانی میں جا گری۔

۳۲۔ شاگرد نے اپنا قصور ڈرتے ڈرتے بیان کیا لیکن حضرت موسیٰؑ یہ مژدہ سن کر پھڑک اٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وحی کے ذریعے ان کو منزل مقصود کی نشانی یہی بتائی گئی تھی۔ چنانچہ واپس مڑے تو اسی مقام پر ایک بندۂ خدا سے ملاقات ہوئی جن کا نام بعض حدیثوں میں خضر آیا ہے۔ بیان کردہ اوصاف سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی خدا کے ایک نبی تھے۔ انھوں نے حضرت موسیٰؑ پر خدا کے حکم سے اس کے ارادوں کے چند اسرار بے نقاب کیے جو تربیت صبر و رضا کے پہلو سے نہایت اہم تھے۔

۳۳۔ یعنی میرے ہاتھوں سے ایسے کام صادر ہوں گے جن کی حکمت سے تم واقف نہیں ہو گے اور وہ کام تمھاری نگاہوں میں عجیب اور ناگوار ہوں گے تو آخر تم ان پر کس طرح صبر کرو گے۔

۳۴۔ اہل حق کے لیے اصل رہنما شریعت ہوتی ہے۔ ان کا فرض ہوتا ہے کہ ہر حال میں اس کی پیروی کریں اور کسی کی کوئی بات اس کے خلاف دیکھیں تو اس پر نکیر کریں۔ حضرت موسیٰؑ باوجودیکہ حضرت خضرؑ کے پاس اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے لیکن انھوں نے ان کی کسی ایسی بات پر صبر نہیں کیا جس کو انھوں نے شریعت کے خلاف پایا۔

۳۵۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کے مطابق ان سے جدائی کا فیصلہ کر لیا لیکن قرینہ دلیل ہے کہ حکمت کی تربیت کے وہ تمام پہلو سامنے آ چکے تھے جن کی تعلیم اس مرحلہ میں حضرت موسیٰؑ کو دینا مطلوب تھا۔

۳۶۔ یعنی بادشاہ کے حکم سے تمام صحیح و سالم کشتیاں قبضہ میں لی جا رہی تھیں۔ میں نے کشتی کو عیب دار کر کے غریبوں کو اپنے ذریعہ معاش سے محروم ہونے سے بچا لیا۔ یہ مثال تھی اس امر کی کہ دنیا میں نیکوں اور غریبوں کو اگر کوئی مالی و معاشی نقصان پہنچتا ہے تو اس نقصان کے اندر انھی کا کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے۔ اس لیے انھیں اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔

۳۷۔ یعنی لڑکے کی موت اس لیے ہوئی کہ اس کی اٹھان کفر پر تھی۔ اس سرکش و نافرمان بیٹے کی جگہ اللہ تعالیٰ مومن ماں باپ کو پاک نفس اور ہمدرد اولاد دینا چاہتا تھا۔ لہٰذا اہل ایمان کو اگر کوئی جانی مصیبت پہنچتی ہے تو اس میں بھی ان کے لیے کوئی خیر عظیم مضمر ہوتا ہے۔

۳۸۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اس کے نیک بندوں کی یتیم اولاد دفینہ سے محروم نہ ہو جائے' دیوار بچوں کے جوان ہونے تک قائم رہے تاکہ بڑے ہو کر وہ اپنا دفینہ خود نکالیں۔ یہ درحقیقت تمھارے رب نے یتیموں پر رحم فرمایا ہے نہ کہ اس بستی کے کمینوں پر۔ یہ مثال ہے اس بات کی کہ اس دنیا میں نابکاروں اور ناہنجاروں کو جو رعایت ملتی ہے اس سے قدرت کا منشاء ان کی پرورش کرنا نہیں بلکہ اپنی کسی مصلحت کو پورا کرنا ہوتا ہے۔

۳۹۔ یہ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کے خلجان کو رفع کرنے کے لیے وضاحت کی کہ یہ بظاہر خلاف شرع کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیے بلکہ خدا کے حکم کے تحت اس کی حکمتوں کے بعض پہلو اجاگر کرنے کے لیے کیے ہیں۔

۴۰۔ جس طرح نصاریٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں سوال کیا اسی طرح یہود نے اپنے ایک محسن بادشاہ ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا۔ قرآن نے یہاں ذوالقرنین کو ایک سلطان عادل کی حیثیت سے پیش کر کے قریش کے ان سرکش لیڈروں کو عبرت دلائی ہے جو اپنے اقتدار کو لازوال سمجھتے تھے۔ اور خدا اور آخرت کا مذاق اڑاتے تھے۔ ذوالقرنین کا اطلاق ایران کے شہنشاہ کیخسرو پر ہوتا ہے جس کا نام خورس یا سائرس بھی آیا ہے۔ وہ صاحب ایمان تھا۔ اس نے یہود پر یہ احسان کیا کہ ان کو بابل کی اسیری سے نجات دلائی اور بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کرایا۔

۴۱۔ مطلب یہ ہے کہ مغرب کی جانب ملکوں کو فتح کرتا ہوا ایسی جگہ جا پہنچا جہاں آگے سمندر تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ مغرب میں دنیائے معلومہ کی آخری حد یہی ہے اور سورج یہیں ڈوبتا ہے۔ کیخسرو کی پہلی مہم بھی ایران سے مغرب کی جانب تھی۔ وہ موجودہ عراق' شام اور ترکی کو فتح کرتا ہوا بحیرہ روم کے ساحل تک جا پہنچا تھا۔

۴۲۔ مطلب یہ ہے کہ دشمن کو ہم نے اس کے قدموں میں اس طرح ڈال دیا کہ وہ ان سے جو سلوک روا رکھتا کوئی اس کے اختیار و اقتدار میں مداخلت کرنے والا نہیں تھا۔

۴۳۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ایک مومن' موحد اور آخرت پر یقین رکھنے والا بادشاہ تھا۔

۴۴۔ دوسری مہم مشرق کی سمت میں تھی جہاں آگے ایسے قبائل آباد تھے جو گھروں اور تعمیر و تمدن سے بالکل ناآشنا اپنی وحشت کے ابتدائی دور میں تھے۔ کیخسرو کی یہ مہم مکران اور قندھار کی طرف تھی اور اس نے ان علاقوں تک اپنی مملکت کی توسیع کر لی تھی۔

۴۵۔ یعنی اپنے علاقے میں محدود اور دوسروں سے بے تعلق زندگی رکھنے کی وجہ سے یہ دوسروں کی زبان مشکل ہی سے سمجھ پاتے تھے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۷ پر)

امین احسن اصلاحی

طہارت اور استنجا کے مسائل

(صحیح بخاری کی کتاب الوضو کی روایات)

باب 103 -التسمية على كل حال و عند الوقاع

(ہر کام کے وقت بسم اللہ کہنا اور صحبت کے وقت بھی)

141 - حدثنا علی بن عبد الله قال حدثنا جرير عن منصور عن ابن سالم بن ابی الجعد عن كريب عن ابن عباس يبلغ به النبیؐ قال لو ان احدکم اذا اتی اهله قال بسم الله اللهم جنبنا الشيطن وجنب الشيطن مارزقتنا فقضی بینهما ولد لم یضره۔

ترجمہ:- ابن عباس سے روایت ہے اور وہ اس حدیث کو حضورؐ تک پہنچاتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم میں کوئی اپنی بیوی سے صحبت کرے اور کہے بسم اللہ' یا اللہ ہم کو شیطان سے بچائے رکھ اور جو اولاد ہم کو عطا فرمائے شیطان کو اس سے دور رکھ تو اگر ان کو اولاد دی جائے گی تو شیطان اس کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

وضاحت:- اللہ کے ذکر کے لیے وقت کی پابندی نہیں اور نہ کوئی اور شرط اس کے لیے ہے۔ اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے' کھاتے پیتے' غرض ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کی یاد ہونی چاہیے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ يذكرون الله قياما و قعودا وعلى جنوبهم کی رو سے اللہ کی یاد کے لیے صرف آدمی ہوش میں ہونا چاہیے۔ اگر بے ہوش ہے تو ہوش میں آتے ہی اللہ کی یاد ہونی چاہیے۔ اسی طرح مباشرت کے وقت بھی آدمی کا دل اللہ کی یاد سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ رہ گئی یہ بات کہ اس طرح پیدا ہونے والی اولاد کو شیطان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا تو توقع یہی ہے۔ اس لیے کہ بسم اللہ کہنے میں برکت ہے' اس کا فائدہ پہنچے گا ان شاء اللہ۔ لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ جب کسی کلمہ کی برکت بیان کی جاتی ہے تو دوسرے عوامل کی نفی نہیں کی جاتی۔ دوسرے عوامل بھی اپنا کام کریں گے اور ان کے سدباب کے لیے جن کاموں کی آپ کو ہدایت کی گئی ہے وہ کرنا ہوں گے۔ اگر نہیں کریں گے تو شیطان کے حملوں سے بچنا مشکل ہے۔

یہ ہے تو کتاب الوضوء کا ایک باب لیکن اس روایت میں وضو کا ذکر نہیں ہے۔ آپ بہت تکلف کریں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مباشرت جیسے خالی دنیاداری کے کام

میں بسم اللہ کا حکم ہے تو وضو تو ایک عبادت ہے۔ اس میں بدرجہ اولیٰ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ لیکن امام بخاریؒ کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا وضو میں واجب ہے اور یہاں جس بسم اللہ کا ذکر ہے اس سے وضو کے لیے اس کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ مباشرت کے وقت بسم اللہ کہنا واجب ہے اور یہ ایسی بات ہے جسے کوئی نہیں مانتا۔ میرے نزدیک چونکہ مسلمان کے ذہن میں بسم اللہ ہوتی ہے اس لئے اگر وہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے جب بھی اس کا وضو درست ہو گا۔

باب 104 -ما يقول عند الخلاء

(بیت الخلاء میں جائے تو کیا کہے)

142 - حدثنا ادم قال ثنا شعبه عن عبد العزيز بن صهيب قال سمعت انسا يقول كان النبیؐ اذا دخل الخلاء قال اللهم انی اعوذبک من الخبث و الخبائث۔ تابعه ابن عرعره عن شعبه وقال غندر عن شعبة اذا اتی الخلاء و قال موسى عن حماد اذا دخل و قال سعيد بن زيد حدثنا عبد العزيز اذا اراد ان يدخل

ترجمہ:- حضرت انسؓ کہتے تھے کہ آنحضرتؐ بیت الخلا میں داخل ہوتے تو یوں فرماتے' یا اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبث اور خبائث سے۔ اسی حدیث کو محمد بن عرعرہ نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔ غندر کے الفاظ یہ ہیں کہ آپؐ جب بیت الخلا میں آتے۔ موسیٰ کی روایت میں ہے کہ جب آپ داخل ہوتے اور سعید کے الفاظ ہیں جب آپ داخل ہونے لگتے۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر دنیا کا کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا اور بندہ ہر کام میں اللہ کی مدد کا محتاج ہے۔ آنحضرتؐ جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں خبث اور خبائث سے۔ خبث اور خبائث یعنی چھوٹی بڑی ہر قسم کی خبیث چیز' کیڑے مکوڑے' سانپ بچھو' گندگی نجاست' غرض ہر خباثت' چاہے مادی قسم کی ہو یا روحانی قسم کی' مذکر ہو یا مونث۔ اس میں سب شامل ہیں۔

یہ دعا پڑھنا مطلوب ہے۔ باقی رہ گیا اس کے الفاظ میں راویوں کا اختلاف تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس روایت کو وضو کے ذیل میں لانے کی کوئی توجیہ اس کے سوا ممکن نہیں کہ امام صاحب کی نظر ثانی کے بغیر کتاب کی روایت شروع ہو گئی اور وہ احادیث کی تنقیح نہ کر سکے۔

باب 105 -وضع الماء عند الخلاء
(بیت الخلاء کے پاس پانی رکھنا)

143 - حدثنا عبد الله بن محمد قال ثنا هاشم بن القاسم قال ثنا ورقاء عن عبيد الله بن ابی زيد عن ابن عباس ان النبیؐ دخل الخلاء فوضعت له وضوء قال من وضع هذا فاخبر فقال اللهم فقهه فی الدين-

ترجمہ :- ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ بیت الخلا میں گئے تو انہوں نے آپؐ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا- آپؐ نے پوچھا کہ یہ پانی کس نے رکھا- لوگوں نے بتایا تو آپؐ نے دعا دی اے اللہ اس کو دین کی سمجھ دے-

وضاحت :- وضوء 'و' کی فتح کے ساتھ آئے تو اس سے وضوء کا پانی مراد ہوتا ہے- آنحضرتؐ نے ابن عباس کی سعادتمندی پر دعا دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین کی سمجھ عطا کرے- اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں کو سعادتمندی کا اظہار کرنا چاہیے اور ان کے اس اظہار پر بزرگوں کو دعا دینی چاہیے- آنحضرت ﷺ کے شایان شان بات یہی تھی کہ آپ دعا فرماتے اور ابن عباسؓ کی سعادتمندی کا تقاضا تھا کہ وہ یہ کام کرتے-

باب 106 -لا تستقبل القبلة ببول ولا غائط الا عند البناء جدار او نحوه-
(پیشاب یا پاخانے میں قبلہ کی طرف منہ نہ کیا جائے مگر جب کوئی عمارت آڑ ہو جیسے دیوار وغیرہ-)

144 - حدثنا ادم قال ثنا ابن ابی ذئب قال ثنا الزهری عن عطاء ابن زيد الليثی عن ابی ايوب الانصاری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتى احدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولا يولها ظهره شرقوا او غربوا-

ترجمہ :- ابو ایوب انصاری سے روایت ہے- وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے جائے تو قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب رخ کیا کرو-

وضاحت :- یہ جو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مشرق یا مغرب کی جانب رخ کیا کرو تو یہ مدینہ منورہ کی رعایت سے ہے' کیونکہ مدینہ کے اعتبار سے قبلہ جنوب کی طرف ہے- ہمارے دیار کے لحاظ سے یہ ہدایت شمال یا جنوب کی جانب رخ کرنے کی ہو گی-

جب کوئی آدمی حاجت کے لیے میدان میں جاتا ہے تو اتنا اہتمام کرے کہ قبلہ کی جانب اس کا منہ یا پیٹھ نہ ہو- ہاں کسی دیوار کی آڑ ہو یا بیت الخلاء کسی عمارت میں ہو تب کوئی حرج نہیں ہے-

باب 107 -من تبرز علی لبنتين-
(رفع حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیٹھنا)

145 - حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن يحيی بن سعيد عن محمد بن يحيی بن حبان عن عمه واسع بن حبان عن عبد الله بن عمر انه كان يقول ان ناسا يقولون اذا قعدت على حاجتک فلا تستقبل القبله ولا بيت المقدس فقال عبد الله بن عمر لقد ارتقيت يوما على ظهر بيت لنا فرايت رسول الله صلى الله عليه وسلم على لبنتين مستقبلا بيت المقدس لحاجته وقال لعلک من الذين يصلون على اوراكهم فقلت لا ادری والله قال مالک يعنی الذی يصلی ولا يرتفع عن الارض يسجد وهو لاصق بالارض-

ترجمہ :- عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے- وہ کہتے تھے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تو حاجت کے لیے بیٹھے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر نہ بیت المقدس کی طرف- عبد اللہ ابن عمر نے کہا کہ میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا' میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کئے حاجت کے لیے بیٹھے ہیں- ابن عمر نے واسع سے کہا شاید تو ان لوگوں میں سے ہے جو چوتڑوں پر نماز پڑھتے ہیں- میں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جانتا- امام مالک نے کہا ابن عمر نے اس سے وہ شخص مراد لیا جو نماز میں زمین سے اونچا نہ اٹھے' سجدہ میں زمین سے لگ جائے-

وضاحت :- حضورؐ جو بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے تھے تو ظاہر ہے کہ اسکی وجہ یہ ہو گی کہ بیت الخلاء بنا ہوا اسی طرح ہو گا- یہ بات بھی ہے کہ تعمیر کے اندر' جیسا کہ اوپر کی روایت میں گزرا' رخ کی پابندی نہیں ہے-

یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے- دیوار جب سامنے ہو گی تو نفس پر اس کا اثر پڑے گا اور آپ یہ سمجھیں گے کہ قبلہ کی جانب رخ نہیں ہوا- عمل میں نفسیاتی اثر یہ ہونا چاہیے کہ ہم نے احتیاط کی- آپ میدان میں نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے چھوٹی سی لکڑی گاڑ دیتے ہیں تو اس سترہ کا بھی نفسیاتی اثر ہوتا ہے کہ آپ اوٹ میں کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں- اس صورت میں بھی آدمی آپ کے آگے سے گذر جاتا ہے اور ایک ذرا سی چیز حاجب ہوتی ہے-

حضرت ابن عمرؓ کا واسع پر تبصرہ اسی طرح کا ہے جیسے آج کی زبان میں کسی سے یہ کہا جائے کہ آپ تو بڑے بنیاد پرست معلوم ہوتے ہیں- اس پر واسع نے کہا کہ اس کا مجھے پتہ نہیں- جو بات تھی وہ میں نے بتا دی- اب اس پر آپ جو چاہیں کہیں- میرے نزدیک ابن عمر کے قول کا یہی مطلب ہے-

واللہ اعلم۔

اس روایت کا تعلق کتاب الوضو سے سمجھ میں نہیں آیا۔

باب 108 - خروج النساء الی البراز
(عورتوں کا قضائے حاجت کے لیے باہر نکلنا)

146 - حدثنا یحیی بن بکیر قال ثنا اللیث قال حدثنی عقیل عن ابن شھاب عن عروۃ عن عائشہ ان ازواج النبیؐ کن یخرجن باللیل اذا تبرزن الی المناصع وھی صعید افیح وکان عمر یقول للنبی صلی اللہ علیہ وسلم احجب نسائک فلم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل فخرجت سودۃ بنت زمعہ زوج النبیؐ لیلہ من اللیالی عشاء وکانت امراۃ طویلہ فناداھا عمر الاقدعر فناک یا سودۃ حرصا علی ان ینزل الحجاب فانزل اللہ الحجاب۔

ترجمہ :- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی بیویاں رات کو حاجت کے لیے مناصع کی طرف نکلتیں اور مناصع ایک کھلا میدان ہے۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ سے کہتے تھے کہ اپنی عورتوں کو پردے میں بٹھائیے لیکن آنحضرتؐ ایسا حکم نہیں دیتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ آپؐ کی بی بی سودہ بنتؓ زمعہ رات کو عشاء کے وقت نکلیں' وہ قد آور عورت تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو پکارا۔ خبردار سودہ! ہم نے تم کو پہچان لیا ہے۔ یہ انھوں نے اس حرص کے ساتھ پکارا کہ پردے کا حکم اترے۔ آخر اللہ نے پردے کا حکم اتار دیا۔

وضاحت :- یہ روایت بہت مشکل ہے اور میری سمجھ میں اس کا کوئی پہلو نہیں آیا۔ اول تو اس میں ابن شہاب ہیں جن کی شیعیت معروف ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق وہ باتیں گھڑ دیتے ہیں۔ یہاں دیکھ لیجئے کہ حضرت سودہؓ ام المومنین کا معاملہ ہے۔ کوئی خوش تمیز آدمی اپنی ماں کو جب کہ معلوم ہو کہ وہ ضرورت کے لیے جا رہی ہیں اسطرح علی الاعلان کیسے پکار سکتا ہے کہ اے سودہؓ ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ گویا حضرت عمرؓ نے یا ام المومنین بھی نہیں کہا بلکہ یا سودہ کہا۔ ایسے وقت میں ہما شما اپنی بیٹی کو بھی اسطرح نہیں پکار سکتے تو حضرت عمرؓ سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ یا سودہ کہہ کر پکاریں۔ حضرت عمرؓ نہایت شائستہ اور اعلیٰ معیار کے آدمی ہیں۔ امت کے گل سرسبد ہیں۔ یہ طرز تخاطب ان سے منسوب کیا گیا ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ چاہتے کیا تھے۔ اگر وہ یہ چاہتے تھے کہ عورتیں سرے سے گھروں سے نہ نکلیں تو انسانی معاشرہ اتنا وسیع ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ آپ عورتوں کو گھروں میں بالکل

بند کر دیں۔ لہٰذا ایسا چاہنے کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ عورتوں پر یہ پابندی تو اللہ تعالیٰ نے بھی عائد نہیں کی۔ قرآن میں ہدایت کی گئی ہے کہ عورتیں جب گھر سے باہر نکلیں تو اس صورت میں ادنائے جلباب کریں یعنی جسم پر چادر لے کر گھونگھٹ نکال لیں۔ ظاہر ہے کہ یہ گھر سے باہر کا پردہ ہے۔ اب رہ گئی قد کی درازی یا جسم کا بھاری پن تو ادنائے جلباب سے اس کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ چادر میں اس کا امکان نہیں ہے کہ کوئی عورت اپنے جسم کے حجم اور اپنے قد و قامت کی درازی سے پہچانی نہ جا سکے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں بیان کردہ واقعہ آیت حجاب کے نزول کے بعد کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھر سے باہر کے پردے کا حکم حضرت عمر کے نزدیک کافی نہیں تھا۔ بلکہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ سرے سے عورتوں کو آنحضرتؐ باہر جانے ہی نہ دیں۔ یہ بات بالکل خلاف عقل ہے۔ کوئی زبردست سے زبردست آمر بھی عورتوں کو گھروں میں روکنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

روایت کی ایک توجیہ یہ کی جا سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ صرف آنحضرتؐ کی ازواج کے متعلق یہ بات کہتے تھے کہ وہ گھروں سے نہ نکلیں۔ اگر یہ بات تھی تو حضرت عمرؓ عمدہ طریقہ سے یہ بات کہہ سکتے تھے کہ حضورؐ آپ اپنے گھروں میں بیت الخلاء بنوا دیں۔ روایت کے مطابق ایسی معقول رائے تو انھوں نے دی نہیں بلکہ یہ منادی کر دی کہ اے سودہؓ ہم تمہیں پہچان گئے۔ انھیں اس بات کی حرص تھی کہ آیت حجاب نازل ہو۔ اور جو آیت حجاب نازل ہوئی اس پر وہ قانع نہیں ہوئے بلکہ اس کے بعد بھی کچھ اور چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے فرزانہ کے متعلق یہ بات ناقابل تصور ہے۔

آیات حجاب اس واقعہ سے پہلے نازل ہوئی ہو یا اس کے بعد' دونوں صورتوں میں حضرت عمرؓ کی سوچ سے اس کی موافقت نہیں ہوتی۔ لہٰذا حجاب کا معاملہ ان چیزوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا جو موافقات حضرت عمرؓ میں سے ہیں' یعنی ایسے معاملات جن میں وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کر دی۔ میرے نزدیک مختلف اعتبارات سے یہ روایت مخدوش اور بے محل ہے۔ اس کا بھی کتاب الوضوء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

147 - حدثنا زکریا قال ثنا ابو اسامہ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قد اذن لکن ان تخرجن فی حاجتکن قال ھشام یعنی البراز۔

ترجمہ :- حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم عورتوں کو اجازت ہے کہ تم اپنی ضرورت کے لئے گھروں سے نکلو۔ ھشام اسکی شرح کرتے ہیں کہ قضاء حاجت کے لئے۔

وضاحت :- اس روایت کی لوگ توجیہ یہ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ چونکہ اس بات پر مصر تھے کہ عورتیں گھروں سے نہ نکلیں اس وجہ سے حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ہو گا

اور آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہو گا کہ تمہیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے نکلنے کی اجازت ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید نے اوڑھنے جلباب کی شرط کے ساتھ عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی اجازت دی اور حضور نے بھی ان پر پابندی عائد نہیں کی تو پھر حضرت عمرؓ ان احکام سے فرار کیسے کر سکتے تھے۔ میرے نزدیک یہ بات کسی طریقہ سے قرین عقل نہیں ہے۔
یہ الگ اور اچھی بات ہے کہ گھروں میں بیت الخلاء تعمیر ہو جائیں لیکن آج سے چودہ سو سال پہلے اتنا آسان نہ تھا کہ ہر گھر میں اس کا بندوبست ہو سکے۔ آج بھی ہمارے دیہاتوں میں عورتیں رفع حاجت کے لئے باہر ہی نکلتی ہیں۔

باب 109 - التبرز فی البیوت
(گھروں کے اندر قضائے حاجت کے لئے جگہ بنانا)

148 - حدثنا ابراهیم بن المنذر قال ثنا انس بن عیاض عن عبید الله بن عمر عن محمد بن یحیی بن حبان عن واسع بن حبان عن عبد الله بن عمر قال ارتقیت علی ظهر بیت حفصه لبعض حاجتی فرایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقضی حاجته مستدبر القبلته مستقبل الشام۔

ترجمہ:- عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز حضرت حفصہؓ کے گھر کی چھت پر اپنے کسی کام سے چڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے قبلہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف منہ کیے بیٹھے تھے۔

وضاحت:- اس روایت کا مضمون اوپر باب 107 کے تحت گزر چکا ہے۔
ہمارے لئے یہ بات معقول اور قبلہ کے احترام کا تقاضا ہے کہ گھروں میں بیت الخلاء اس طرح تعمیر کریں کہ قبلہ کا استقبال یا استدبار نہ ہو یعنی نہ قبلہ کی طرف منہ ہو نہ پیٹھ۔ گھروں کے اندر اگر اس طرح کا بیت الخلاء بنا ہوا نہیں ہے تو برا تو ہے لیکن ناجائز نہیں ہے۔

149 - حدثنا یعقوب بن ابراهیم قال ثنا یزید بن هارون قال انا یحیی عن محمد بن یحیی بن حبان ان عمه واسع بن حبان اخبره ان عبد الله بن عمرؓ اخبره قال لقد ظهرت ذات یوم علی ظهر بیتنا فرایت رسول الله ﷺ قاعدا علی لبنتین مستقبل بیت المقدس۔

ترجمہ:- عبد اللہ ابن عمرؓ نے خبر دی کہ ایک دن میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ دو اینٹوں پر بیٹھے ہیں بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے۔

وضاحت:- یہ روایت بھی وہی ہے جو اوپر گزری ہے۔
دو اینٹوں کا ذکر اتفاقی ہے۔ چار بھی ہو سکتی ہیں۔ کوئی باقاعدہ قدمچہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال کچھ بلندی ہو جائے، یہی مطلوب ہے۔

باب 110 - الاستنجاء بالماء
(پانی سے استنجا کرنا)

150 - حدثنا ابو الولید هشام بن عبد الملک قال ثنا شعبه عن ابی معاذ واسمه عطاء بن میمونه قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا خرج لحاجته اجئی انا و غلام معنا اداوة من ماء یعنی یستنجی به۔

ترجمہ:- انس بن مالک فرماتے تھے کہ آنحضرتؐ جب اپنی حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ہمارے ساتھ ایک لڑکا ایک ڈول پانی لے کر آتے۔ آپؐ اس سے استنجا کرتے۔

وضاحت:- طہارت کا اعلیٰ ذریعہ فطری طور پر پانی ہے۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ ڈھیلے یا پتھر سے استنجا جائز ہے یا نہیں لیکن پیغمبرؐ نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ پانی کے بارے میں یہ بحث نہیں ہو سکتی لیکن بعض شرحوں میں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ کس طرح سے ان کے شارحین کا ذہن اس طرف گیا کہ ان کے نزدیک افضل ڈھیلے یا پتھر سے استنجا کرنا ہے۔ یہ غلط ہے۔ افضل پانی ہی ہے، البتہ عند الضرورت ڈھیلے یا پتھر سے بھی استنجا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شعبہ میں آسانیاں رکھی ہیں۔

باب 111 - من حمل معه الماء لطهوره- وقال ابو الدرداء لیس فیکم صاحب النعلین والطهور والوساد
(آپ کی طہارت کے لیے پانی ساتھ لے کر جانے والے۔ اور ابو الدرداء نے کہا کیا تم میں جوتیوں کے سنبھالنے والے، وضو کا پانی اور گدے اٹھانے والے نہیں ہیں۔)

وضاحت: ابوالدرداء کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے جو آنحضرت کے لئے ان چیزوں کا اہتمام کرتے۔ گویا ان کے نزدیک طہارت کے لیے پانی لے جانا اور جوتے اٹھانا آداب میں سے ہے اور بزرگوں کے لیے یہ خدمت کرنی چاہیے۔ میں اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

151 - حدثنا سلیمان بن حرب قال ثنا شعبه عن عطاء بن ابی میمونه قال سمعت انسا یقول کان النبیؐ اذا خرج لحاجته تبعته انا و غلام منا معنا اداوة من ماء۔

ترجمہ:- انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ہم میں سے ایک اور لڑکا ایک ڈول پانی کا لے کر آپ کے پیچھے جاتے۔

وضاحت:- اس روایت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ اس پانی کا مقصد کیا ہوتا تھا۔ آگے ایک روایت میں حضرت انسؓ خود بتاتے ہیں کہ ہم اپنا رخ بدل لیتے اور آنحضرتؐ اس پانی سے طہارت کر لیتے تھے۔

باب 112 - حمل العنزة مع الماء فی الاستنجاء
(استنجا کے لیے نکلے تو پانی کے ساتھ برچھی بھی لے جائے)

152 - حدثنا محمد بن بشار قال ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبه عن عطاء ابن ابی میمونه سمع انس بن مالک یقول کان رسول اللهؐ یدخل الخلاء فاحمل انا و غلام اداوه من ماء و عنزه یستنجی بالماء تابعه النضر و شاذان عن شعبه العنزه عصاء علیه زج

ترجمہ:- انس بن مالک کہتے تھے کہ آنحضرتؐ حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ایک لڑکا ایک ڈول پانی اور ایک برچھی لے جاتے' آپؐ پانی سے استنجا کرتے۔ اس حدیث کو نضر اور شاذان نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔ عنزہ سے مراد ایک لاٹھی ہے جس پر پھل لگا ہو۔

وضاحت:- عنزہ سے مراد لوہے کے پھل والی لاٹھی ہے جس سے مٹی نرم کی جائے یا کوئی پتھر یا ڈھیلا کھود کر نکالا جائے۔ یدخل الخلاء سے لازم نہیں کہ بیت الخلاء ہی ہو بلکہ خلوت کی جگہ' میدان وغیرہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔

حضرت انسؓ کے ساتھ ایک اور لڑکا برتن میں پانی استنجاء کے لئے آپؐ کے پیچھے لے جاتے تھے اور ساتھ ہی ایک عنزہ بھی رکھتے تاکہ اگر آنحضرتؐ کو مٹی یا ڈھیلے کی ضرورت ہو تو پیش کر سکیں۔

باب 113 - النهی عن الاستنجاء بالیمین
(داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت)

153 - حدثنا معاذ بن فضاله قال ثنا هشام هو الدستوائی عن یحیی بن ابی کثیر عن عبد الله بن ابی قتاده عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا شرب احدکم فلا یتنفس فی الاناء واذا اتی الخلاء فلا یمس ذکره بیمینه ولا یتمسح بیمینه۔

ترجمہ:- عبد اللہ ابن قتادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے

کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب کوئی حاجت کے لیے جائے تو اپنے ذکر کو داہنا ہاتھ نہ لگائے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے۔

وضاحت:- پانی پیتے ہوئے اس میں سانس نہیں لینی چاہیے۔ اکثر لوگ تو اس کو صحت کے خلاف بتاتے ہیں لیکن یہ بات ہو یا نہ ہو' اسطرح نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا تعلق آداب سے ہے۔ اسی طرح بایاں ہاتھ اگر کام کرتا ہے تو دائیں ہاتھ سے وہ کام نہ لیں جو بائیں ہاتھ سے کرنے کے ہیں۔ کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے۔ کسی عضو کو ہاتھ لگانے سے کوئی نجاست لاحق نہیں ہوتی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ شرمگاہ بھی جسم کا ایک حصہ ہے تو اپنے ہی جسم کے کسی حصہ کو ہاتھ لگانے سے نجاست کا یا نقض وضو کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے میرے نزدیک یہ بھی آداب کی تعلیم ہے اور اسکو حلت یا حرمت سے کوئی بحث نہیں ہے۔

ہمارے ہاں معروف کا جو لفظ استعمال ہوتا ہے اس میں زندگی کے آداب' اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کے طریقے' ملنے جلنے کے طریقے' پاکیزگی اور غلاظت سب شامل ہیں۔ یہ معروف ہمیں ایک باوقار زندگی سکھاتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ ہر قوم کا معروف شریعت ہے اگر وہ شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ اس زمانہ میں ماڈرن طبقہ اس طرح کے آداب پر ہنستا ہے اور ان کی پابندی پر بنیاد پرستی کا طعنہ دیتا ہے حالانکہ ان کے اپنے آداب' جن کو یہ پروٹوکول کہتے ہیں' کبھی پڑھیئے تو یہ پوری ایک شریعت ہے جسکی خلاف ورزی سے آدمی انکی سوسائٹی میں کو بن جاتا اور بے سلیقہ کہلاتا ہے۔ یاد رکھیے بہترین آداب زندگی وہ ہیں جن کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔

باب 114 - لا یمسک ذکره بیمینه اذا بال
(پیشاب کرتے وقت عضو کو داہنے ہاتھ سے نہ تھامے)

154 - حدثنا محمد بن یوسف قال ثنا الاوزاعی عن یحیی بن ابی کثیر عن عبد الله بن ابی قتاده عن ابیه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا بال احدکم فلا یاخذن ذکره بیمینه ولا یستنجی بیمینه ولا یتنفس فی الاناء۔

ترجمہ:- عبد اللہ بن ابی قتادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو داہنے ہاتھ سے نہ تھامے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ برتن میں سانس لے۔

وضاحت:- یہ وہی مضمون ہے جو اوپر والی روایت میں گذر چکا ہے۔

باب 115-الاستنجاء بالحجارة
(ڈھیلوں سے استنجاء کرنا)

155 - حدثنا احمد بن محمد المکی قال ثنا عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو المکی عن جده عن ابی ھریرة قال اتبعت النبی صلی الله علیه وسلم وخرج لحاجته وکان لا یلتفت فدنوت منه فقال ابغنی احجارا استنفض بها اونحوه ولا تاتنی بعظم ولا روث فاتیته باحجار بطرف ثیابی فوضعتها الی جنبه واعرضت عنه فلما قضی اتبعه بهن۔

ترجمہ :- ابوھریرہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ کے پیچھے چلا۔ آپؐ حاجت کے لیے نکلے تھے۔ آپؐ چلنے میں پیچھے نہیں دیکھتے تھے۔ میں آپؐ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کچھ ڈھیلے مجھے ڈھونڈ دو' میں ان سے استنجا کرونگا (یا ایسا ہی کوئی اور لفظ فرمایا) اور دیکھو ہڈی اور مینگنی نہ لانا۔ میں اپنے دامن میں کئی پتھر لے کر آیا اور آپ کے پاس رکھ دیئے اور منہ پھیر کر ایک طرف ہٹ گیا۔ جب آپؐ حاجت سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے ان ڈھیلوں سے صفائی کی۔

وضاحت :- استنجے کے لئے پتھر یا مٹی کے ڈھیلے استعمال کرنا جائز ہے' البتہ ہڈی اور مینگنی اس مقصد کے لیے صحیح چیز نہیں ہے۔ استنجے کے مقصد کے لیے وہ چیز موزوں ہو گی جو جذب کرتی ہو' مٹی کے ڈھیلوں اور پتھروں میں یہ بات ہے کہ ان میں رطوبت جذب ہو جاتی ہے اور آدمی اگر عادی ہو تو اس کو کراہت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ آج کل ٹشو پیپر صفائی کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ بھی جاذب ہونے کی وجہ سے اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔

آپ نے ہڈی کو اس لیے منع کیا کہ جاذب نہیں ہوتی۔ مینگنی ایک کثافت ہے اور اگر اس کو رطوبت ملے گی تو نجاست بن جائے گی۔ جیسے گوبر کے اپلے کو اگر بھیگ جانے کا موقع دیں گے تو وہ نجاست بن جائے گی۔ جن شارحین کا یہ خیال ہے کہ حضورؐ نے ان چیزوں سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ جنوں کی خوراک ہیں میرے نزدیک یہ ان کی ذہانت ہے۔ وہ روایت جب آئے گی تو ان شاء اللہ اس کی وضاحت کروں گا۔

باب 116-لا یستنجی بروث
(گوبر سے استنجا نہ کرے)

156 - حدثنا ابو نعیم قال ثنا زھیر عن ابی اسحاق قال لیس ابو عبیدہ ذکره ولکن عبد الرحمٰن بن الاسود عن ابیه انه سمع عبد الله یقول اتی النبی صلی الله علیه وسلم الغائط فامرنی ان اتیه بثلاثه احجار وجدت حجرین

والتمست الثالث فلم اجد فاخذت روثه فاتیته بها فاخذ الحجرین والقی الروثه وقال هذا رکس

ترجمہ :- عبد اللہ بن مسعود کہتے تھے کہ آنحضرتؐ قضائے حاجت کے لیے نکلے۔ آپ نے مجھے تین پتھر لانے کو کہا۔ میں نے دو پتھر پائے۔ تیسرا ڈھونڈا لیکن مجھے نہ ملا تو میں نے گوبر کا ٹکڑا اٹھا لیا۔ آپؐ نے دونوں پتھر تو لے لیے اور گوبر پھینک دیا اور فرمایا' یہ نجاست ہے۔

وضاحت :- تین ایک تکمیلی عدد ہے۔ دو کے بعد تیسرے سے صفائی مکمل ہو جاتی ہے اور طبیعت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

قضائے حاجت کے مضمون کو طہارت اور وضو کے تحت بیان کرنا مناسب نہیں تھا۔ امام صاحب کو چاہیے تھا کہ اس مقصد کے لیے الگ عنوان قائم کرتے۔

بقیہ تفسیر سورہ کہف

۴۶۔ یاجوج و ماجوج قبائل کے نام ہیں جو بحر خزر کے شمال کی جانب آباد تھے۔ جنوبی علاقوں پر ان کی تاخت ترکستان کے رستے سے بھی ہوتی تھی اور کوہ قفقاز کے درہ داریال کی راہ سے بھی' جس کی طرف یہاں اشارہ ہے۔ اس درے کو ذوالقرنین نے بند کروا دیا۔

۴۷۔ مطلب یہ ہے کہ جب اتنی عظیم الشان آہنی اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کھڑی ہو گئی کہ یاجوج و ماجوج کے لیے نہ اس پر چڑھنا ممکن رہا نہ اس میں نقب لگانا تو ذوالقرنین نے اس پر کسی غرور کا اظہار نہیں کیا بلکہ پوری تواضع اور فروتنی کے ساتھ اس کو اپنے رب کے فضل و کرم کا کرشمہ قرار دیا اور یہی ایک عبد شاکر کی ذہنیت ہوتی ہے۔

۴۸۔ یعنی قرب قیامت میں یاجوج و ماجوج کی اولاد ایک طوفان کی طرح تمام دنیا پر چھا جائے گی اور قومیں ایک دوسرے سے اس طرح ٹکرائیں گی جس طرح سمندر میں موجیں ٹکراتی ہیں۔ پھر اسی طوفان کے اندر سے قیامت نمودار ہو جائے گی جس میں سب پکڑ بلائے جائیں گے۔

۴۹۔ یعنی مغرور لوگ تو سمجھتے ہیں کہ بڑی کامیاب بازی کھیل رہے ہیں لیکن آخرت میں سب سے زیادہ نامراد وہ لوگ ہوں گے جن کی تمام تگ و دو اس دنیا کی طلب کی راہ میں ہے اور جن کو دنیا کے عشق نے ہماری آیات اور ہماری ملاقات سے بے نیاز و بے خوف کر دیا ہے۔

۵۰۔ نشانیوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی حکومت و قدرت کی وہ نشانیاں ہیں جو آفاق و انفس میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ معجزات کا مطالبہ کرنے والوں سے کہا ہے کہ یہ کائنات اتنی نشانیوں سے بھری ہوئی ہے کہ سمندر اگر روشنائی بن جائے اور مزید ایک سمندر بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے تو یہ روشنائی خدا کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے لیے ناکافی ہو گی۔

دیت کے احکام

ماجاء فی عقل الاصابع

(انگلیوں کی دیت کیا ہوگی۔)

حدثنی یحیی عن مالک عن ربیعته بن ابی عبد الرحمن انه قال سالت سعید بن المسیب کم فی اصبع المراۃ؟ فقال عشر من الابل' فقلت کم فی اصبعین؟ قال عشرون من الابل' فقلت کم فی ثلاث؟ فقال ثلاثون من الابل' فقلت کم فی اربع؟ قال عشرون من الابل' فقلت حین عظم جرحھا واشتدت مصیبتہا نقص عقلھا؟ فقال سعید اعراقی انت؟ فقلت بل عالم متثبت او جاھل متعلم' فقال سعید ھی السنته یا ابن اخی۔

ترجمہ :- امام مالک ربیعہ بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا کہ عورت کی انگلی کی دیت کیا ہے تو انہوں نے کہا دس اونٹ۔ دو انگلیوں کا پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بیس اونٹ۔ تین انگلیوں کا پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تیس اونٹ۔ پھر چار انگلیوں کا پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بیس اونٹ۔ میں نے کہا عجیب بات ہے زخم بھاری' مصیبت بڑی اور دیت کم۔ تو سعید نے کہا عراقی معلوم ہوتے ہو۔ میں نے کہا آپ مجھے ایک عالم تحقیق کرنے والا فرض کرلیں یا ایک جاہل علم سیکھنے والا۔ تو سعید نے کہا میرے بھتیجے سنت یہی ہے۔

وضاحت :- سعید بن مسیب فقہائے مدینہ میں سے ہیں۔ یہ ان کا فتوے ہے۔ عراقی اس زمانے میں طنزیہ استعمال ہوتا تھا ان لوگوں کے لیے جو دین میں عقل کو دخل دیتے تھے۔ عراق فقہ حنفی کا مرکز تھا اور عقلیت کے لئے مشہور تھا۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جس طرح اس زمانے میں کسی حدیث پر تنقید کریں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی ہے' یعنی دین میں عقل کو دخل دیتا ہے۔

تیس اونٹ تک عورت کی دیت مرد کے برابر ہے۔ لیکن جیسے ہی چالیس ہوئی مرد کی دیت سے آدھی رہ گئی اور بیس ہو گئی۔ اس پر ربیعہ نے کہا کہ حضرت یہ کیا کہ مصیبت زیادہ اور دیت کم ہو گئی۔ سعید سے جواب نہ بن پڑا اور عراقی ہونے کا طعنہ دیا تو ربیعہ نے کہا کہ نہیں میں تو تحقیق کرنے والا عالم ہوں یا جاہل علم حاصل کرنے والا۔ یہ آپ کس اصول پر کہتے ہیں کہ عورت کی دیت ایک ثلث تک تو مرد کے برابر ہے۔ ثلث سے زیادہ ہو تو گرا دیں گے تاکہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے نصف کے برابر رہ جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ربیعہ بن عبد الرحمن کا معارضہ درست تھا جس کا سعید کوئی معقول جواب نہ دے سکے

اور یہ کہا کہ سنت یہی ہے۔ حالانکہ یہ سنت تو نہیں بلکہ ان کا فتوے ہے۔ اور ربیعہ نے اس کا مذاق اڑایا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں احناف کے متعلق عقلیت کا اعتراف تھا۔ بعد میں اس نے طنز کی شکل اختیار کرلی اور احناف اس بارے میں متہم رہے کہ عقلی گدے لگاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ حدیث کی پروا نہیں کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ عموم بلوی کے معاملات میں جن کا تعلق عام زندگی سے ہے وہ اخبار احاد کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور یہ کہتے ہیں کہ ایسے معاملات میں روایت بہت سے طریقوں سے ہونی چاہیے۔ اسی طرح مالکیہ بھی عمل اہل مدینہ کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مدینہ تمام علماء کا مرکز رہا ہے۔ علمائے مدینہ کا اگر ایک مسئلے پر اتفاق ہے تو اس کے مقابلے میں خبرواحد کی کیا حیثیت ہے۔ یہ دلیل بڑی قوی ہے۔ اگرچہ مالکیہ اور حنفیہ دونوں عقلیت کے مجرم ہیں' لیکن عقلیت کا الزام زیادہ احناف پر آیا کیونکہ ان کی فقہ کو خاص طریقے پر زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

باب جامع عقل الاسنان

حدثنی یحیی عن مالک عن زید بن اسلم عن مسلم بن جندب عن اسلم مولی عمر بن الخطاب ان عمر بن الخطاب قضی فی الضرس بجمل' وفی الترقوۃ بجمل وفی الضلع بجمل۔

ترجمہ :- اسلم جو حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے چوپڑ کے دانت کی دیت میں ایک اونٹ کا فیصلہ کیا۔ ہنسلی کی ہڈی کا بھی ایک اونٹ اور پسلی کا بھی ایک اونٹ۔

وضاحت :- یہ روایت حضرت عمرؓ کا اثر ہے۔ کسی فقیہ کا فتوے نہیں۔ فی زمانہ ایک اونٹ کی قیمت لگا کر دیت ادا کی جائے گی۔

حدثنی یحیی عن مالک عن یحیی بن سعید انه سمع سعید بن المسیب یقول: قضی عمر بن الخطاب فی الاضراس ببعیر' وقضی معاویته بن ابی سفیان فی الاضراس بخمسته ابعرہ

ترجمہ :- حضرت عمرؓ نے چوپڑ کے دانتوں کی دیت کے بارے میں ایک اونٹ کا فیصلہ کیا اور حضرت معاویہؓ نے انہی کے بارے میں پانچ اونٹ کا فیصلہ کیا۔

وضاحت :- امام مالک امیر معاویہؓ کے فتوے بھی نقل کرتے ہیں اور مروان بن حکم کے بھی۔ وہ ان لوگوں کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اہمیت دیتے ہیں۔ چونکہ دانتوں کی دیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین نہیں فرمائی اس لئے مقدمے کا فیصلہ وقت کے حالات کی رعایت سے کیا گیا ہو گا جس کے نتیجہ میں اختلاف واقع ہوا۔

العمل فی عقل الاسنان
(دانتوں کی دیت کے بارے میں عمل)

حدثنی یحیی عن مالک عن داؤد بن الحصین عن ابی غطفان بن طریف المری انه اخبره ان مروان بن الحکم بعثه الی عبد الله بن عباس یسئاله ماذا فی الضرس؟ فقال عبد الله بن عباس فیه خمس من الابل؛ قال فردنی مروان الی عبد الله بن عباس فقال اتجعل مقدم الفم مثل الاضراس؛ فقال عبد الله بن عباس لو لم تعتبر ذالک الا بالا صابع عقلها سواء۔

ترجمہ :- ابی غطفان بن مری روایت کرتے ہیں کہ مروان بن حکم نے ان کو عبد اللہ بن عباس کے پاس بھیجا تاکہ ان سے چوڑ کے دانتوں کی دیت کے بارے میں پوچھے تو عبد اللہ بن عباس نے کہا کہ ان میں پانچ اونٹ کی دیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مروان نے مجھے پھر عبد اللہ بن عباس کی طرف لوٹایا اور یہ پیغام دیا کہ کیا آپ منہ کے اگلے حصہ کو چوڑ کے دانتوں کے برابر رکھتے ہیں تو عبد اللہ بن عباس نے کہا کہ اگر آپ کو اس کا اعتبار نہیں تو انگلیوں پر قیاس کر لو کہ ان کی دیت بھی یہی ہے۔

وضاحت :- حضرت ابن عباسؓ کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ یہ تعین نہیں ہو سکتا کہ ایک دانت اور دوسرے دانت میں کیا فرق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دانت میں گوشت کی کمی ہو لیکن اس کا نکل جانا آپ کا چہرہ ہی بگاڑ دے لہذا مختلف دانتوں کی دیت یکساں ہے۔

حدثنی یحیی عن مالک عن هشام بن عروة عن ابیه انه کان یسوی بین الاسنان فی العقل؛ ولا یفضل بعضها علی بعض۔

ترجمہ :- امام مالک ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ تمام دانتوں کو برابر ہی رکھتے تھے۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔

وضاحت :- یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے۔ وہ سامنے کے دانتوں، داڑھوں اور چوڑ کے دانتوں کو یکساں اہمیت دیتے اور ان کی دیت برابر ٹھہراتے ہیں۔

ماجاء فی دیته جراح العبید
(غلاموں کے زخموں کی دیت)

اس باب میں نہ کوئی مرفوع روایت ہے اور نہ خلفائے راشدین کا کوئی اثر۔ اب غلامی کا مسئلہ ختم ہو چکا اور ہم اس سے بری ہیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ غلاموں کے ساتھ مال اسباب کا سا معاملہ کرنا قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن غلاموں کو انسان مانتا ہے اور اسی بنا پر ان کے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن لوگوں نے اس

کا لحاظ نہیں کیا۔

ماجاء فی دیته اهل الذمته
(ذمیوں کی دیت)

حدثنی یحیی عن مالک انه بلغه؛ ان عمر بن عبد العزیز قضی ان دیته الیهودی او النصرانی اذا قتل احدهما مثل نصف دیته الحر المسلم۔ قال مالک: الامر عندنا ان لا یقتل مسلم بکافر الا ان یقتله مسلم قتل غیله فیقتل به۔

ترجمہ :- امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فیصلہ کیا کہ یہودی یا نصرانی اگر قتل ہو جائے تو اس کی دیت آزاد مسلم کی دیت کے نصف کے برابر ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک فتوے یہ ہے کہ کوئی مسلم کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا الایہ کہ مسلمان نے اس کو دھوکہ دے کر قتل کیا ہو۔ تب وہ اس کے بدلے میں قتل ہو گا۔

حدثنی یحیی عن مالک عن یحیی ابن سعید ان سلیمان بن یسار کان یقول : دیته المجوسی ثمانمائته درهم۔ قال مالک : وهو الامر عندنا۔

ترجمہ :- یحیی بن سعید کہتے ہیں کہ سلیمان بن یسار فتوے دیتے تھے کہ مجوسی کی دیت 800 درھم ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی یہی فتوے ہیں۔

وضاحت :- امام مالکؒ نے جو کچھ نقل کیا ہے۔ وہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا اثر ہے۔ خلفائے راشدین میں سے کسی کا بھی عمل نہیں۔ مالکیہ کا یہی مذہب ہے لیکن احناف کے نزدیک ذمی اور مسلمان کی دیت برابر برابر ہی ہو گی۔ وہ النفس بالنفس کے قانون کی بناء پر ایسا کہتے ہیں۔ مالکیہ حضرات ان حکموں میں تخصیص مانتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ تخصیص کی نوعیت کیا ہے۔ کیا کوئی قول یا روایت قرآن مجید کے حکم کو کسی معین طبقہ کے لئے خاص کر سکتا ہے۔ احناف کے سامنے بھی یہ روایتیں تھیں تو وہ ان روایتوں کو مخصص ہونے کا درجہ کیوں نہیں دیتے۔

نیز یہ بات بھی ہے کہ اہل ذمہ کے جان، مال اور ناموس کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت کی ہے۔ جب اہل ذمہ کا آدمی قتل کر دے تو وہ قصاص میں قتل ہو گا لیکن جب مسلمانوں کا آدمی کسی اہل ذمہ کو قتل کر دے تب اگر وہ قتل نہیں ہو گا تو اہل ذمہ کی حفاظت کی ذمہ داری تو پوری نہ ہوئی۔ اس لحاظ سے بھی مالکیہ کا نقطہ نظر صحیح نہیں ہے۔ اس زمانے میں رائج تصورات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کسی جمہوریت میں اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ رعایا کے اندر فوجداری قوانین میں اس طرح کا فرق ہو کہ اقلیت کا آدمی قتل کرے گا تو قتل ہو گا لیکن اکثریت سے تعلق رکھنے والا قاتل ہو گا تو وہ قتل نہیں ہو گا۔ کوئی جمہوریت اس کو مان نہیں سکتی۔

نیز یہ بات بین الاقوامی قانون کے بھی خلاف ہے۔ وہ ملک آج دنیا میں کو بن کر رہ جائے گا جس کے قانون

میں ایسا امتیاز روا رکھا جائے گا۔ میرے نزدیک مالکیہ اور شوافع کا مذہب کمزور ہے۔ احناف کا مذہب مضبوط ہے۔ یہ مسئلہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جنھوں نے احناف کے مذہب کو دوسرے مذاہب کے مقابل میں تقویت دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر احناف میں لکیر کے فقیر فقہا نہ پیدا ہو گئے ہوتے تو یہ مذہب زمانے کے قوانین کے مقابلے میں بہت اعلیٰ سطح پر پیش کیا جا سکتا تھا۔

مایوجب العقل علی الرجل فی خاصته ماله

ایسی صورتیں جن میں آدمی کی دیت خاص اسی کے مال سے دی جائے گی

حدثنی یحیی عن مالک عن هشام بن عروة عن ابیه انه کان یقول لیس علی العاقلته عقل فی قتل العمد انما علیهم عقل قتل الخطاء۔

ترجمہ :- ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ عاقلہ کے اوپر قتل عمد کے بارے میں دیت نہیں۔ صرف قتل خطا میں عاقلہ پر دیت کی ذمہ داری ہے۔

وضاحت :- "عاقلہ" سے مراد آدمی کے اہل عصبہ ہیں۔ اہل عصبہ میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جن کو وراثت ملتی ہے۔ دوسرے اعزہ و اقربا اس میں شامل نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں ایک دفتر قائم کیا تھا جس میں ہر آدمی کے عاقلہ میں جو لوگ شریک تھے ان کا اندراج ہو جاتا تھا تاکہ وقت پر کوئی ملزم بھاگ نہ سکے۔ قبائلی نظام میں یہ ایک ناگزیر چیز تھی اس لئے کہ ان کے ہاں اکثر مار دھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے انہوں نے خود ہی اپنی سہولت کے پیش نظر یہ نظام قائم کر لیا تھا۔ ان کے ہاں عصبہ کا نظام تو خیر فطرت کا تقاضا تھا "ولا" کا نظام بھی اتنا محکم تھا کہ اس میں بھی کبھی فرق نہیں آیا تھا۔ ہمارے ہاں عاقلہ اور ولا دونوں کا تصور نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے ہشام کے والد کا فتوے نقل کیا ہے کہ عاقلہ کے اوپر اس قتل کی دیت نہیں ہو گی جو کسی نے جان بوجھ کر کیا ہو گا۔ اس صورت میں مجرم کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر مقتول کے وارثوں نے دیت لینی قبول کر لی ہے تو اس شکل میں دیت صرف مجرم کے مال سے دی جائے گی۔ یہ بات عقل کے مطابق ہے۔ ہاں اگر کسی شخص سے خطاً قتل ہو جاتا ہے اور وہ محتاج بھی ہے تو اس کی مدد کی جائے گی۔ اعزہ و اقربا کا فرض ہے کہ اس کی مدد کریں۔ یہ بات بھی عقل کے مطابق ہے۔ امام صاحب نے اس فتوی کی تائید میں آگے ابن شہاب اور یحیی بن سعید کی رائے بھی نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں اس بارے میں یہی سنت چلی آ رہی ہے۔

امام مالکؒ کا فتوے یہ ہے کہ عاقلہ کے اوپر دیت اس وقت تک واجب نہیں ہو گی جب تک اس کی مقدار ثلث یا اس سے زیادہ نہ ہو۔ اس سے کم مقدار میں عاقلہ کو تکلیف نہیں دی جائے گی بلکہ صرف جارح کے مال میں سے ہی دیت ادا کی جائے گی۔

یہ امام مالکؒ نے نیا نکتہ پیدا کیا ہے۔ لیکن بات بالکل معقول ہے کہ دیت کا بوجھ اگر زیادہ ہو تب تو عاقلہ کو شریک ہونا چاہیے لیکن اگر تھوڑی سی دیت ہے تو دوسروں پر کیوں بوجھ ڈالا جائے۔

ماجاء فی میراث العقل والتغلیظ فیه

(دیت کی میراث اور اس میں سختی کے بارے میں)

حدثنی یحیی عن مالک عن ابن شهاب ان عمر بن الخطاب نشد الناس بمنی من کان عنده علم من الدیه ان یخبرنی فقام الضحاک بن سفیان الکلابی فقال کتب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اورث امراة اشیم الضبابی من دیته زوجها؟ فقال له عمر بن الخطاب ادخل الخباء حتی آتیک' فلما نزل عمر بن الخطاب اخبره الضحاک فقضی بذالک عمر بن الخطاب' قال ابن شهاب وکان قتل اشیم خطاء۔

ترجمہ :- ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے منی میں لوگوں سے مطالبہ کیا کہ جس کے پاس دیت کے بارے میں کچھ علم ہو تو وہ مجھے خبر کرے۔ ضحاک بن سفیان کلابی کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے لکھا تھا کہ میں اشیم الضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت میں سے وارث بناؤں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خیمہ میں چلو' میں آتا ہوں۔ جب حضرت عمرؓ آئے تو ضحاک نے ان کو اس واقعہ کی خبر دی تو حضرت عمرؓ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ اشیم کا قتل قتل خطا تھا۔

وضاحت :- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیت کی وراثت بیوی کو بھی پہنچے گی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ جائداد میں وارث ہوتے ہیں وہ دیت میں بھی وارث ہونگے۔ یہ بات تو معقول ہے لیکن تحقیق کی ضرورت غالباً اس لئے پڑی ہو گی کہ معاملہ دیت کا تھا اور سوال یہ تھا کہ وراثت کے قانون ہی کے مطابق اس میں فیصلہ ہو گا یا اس میں کچھ مختلف ہو گا۔ اشیم کا قتل قتل خطا تھا اس لئے اس کی دیت جو ملی تو اس میں حضرت عمرؓ نے سب ورثاء کو شریک کیا۔

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن عمرو بن شعیب ان رجلا من بنی مدلج یقال له قتادة حذف ابنه بالسیف فاصاب ساقه فنزی فی جرحه فمات فقدم سراقه بن جعشم علی عمر بن الخطاب فذکر ذالک له فقال له عمر اعدد علی ماء قدید عشرین ومائه بعیر حتی اقدم علیک فلما قدم الیه عمر بن الخطاب اخذ من تلک الابل ثلاثین حقه وثلاثین جذعه' واربعین خلفه' ثم قال این اخو المقتول؟ قال ها انا ذا۔ قال خذها فان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لیس لقاتل شیئی۔

ترجمہ :- عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ بنو مدلج کے ایک شخص نے' جس کا نام قتادہ تھا' تلوار پھینک ماری تو وہ اس کے بیٹے کو اس کی پنڈلی میں لگی جس سے اس کا خون بہہ گیا اور وہ مرگیا۔ سراقہ بن جعشم حضرت عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہ کہ جاؤ اور قدید کے چشمے پر ایک سو

بیس اونٹ جمع کرو' میں آتا ہوں۔ جب حضرت عمرؓ آئے تو انہوں نے اونٹوں میں سے تیس حقہ' تیس جذعہ اور چالیس خلفہ لئے۔ پھر پوچھا کہ مقتول کا بھائی کہاں ہے۔ اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ لے لو اس لئے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قاتل کے لئے کچھ نہیں۔

وضاحت :۔ "حقہ" وہ اونٹ جس کی عمر دو سال سے زیادہ ہو لیکن تین سال سے کم ہو۔
"جذعہ" وہ اونٹ جس کی عمر تین سال اور چار سال کے درمیان ہو۔
" خلفہ" تین سال اور چار سال کے درمیان دودھ دینے والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

اس روایت میں یہ مسئلہ بتایا ہے کہ قاتل کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگرچہ وہ وراثت کے حقداروں میں سے ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مقتول کے بھائی کو وارث بنایا اور باپ چونکہ قاتل تھا' اس کو بالکل محروم کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے اونٹ تو 120 جمع کرنے کا حکم دیا لیکن دیت میں 100 ہی دیئے' صرف خلفہ کی تعداد بڑھا دی۔ چونکہ قاتل نے باپ ہو کر حماقت کی تھی' اس لئے آپ نے خلفہ کی تعداد بڑھائی تاکہ سزا ذرا سخت ہو۔ اسی طرح اگر حالت احرام میں یا اشہر حرم میں قتل ہو تو اونٹوں کی صفات میں اضافہ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کل تعداد ایک سو ہی رہے۔

حدثنی مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب و سلمان بن یسار سئلا اتغلظ الدیه فی الشهر الحرام فقالا لا ولکن یزاد فیها للحرمه فقیل لسعید هل یزاد فی الجراح کما یزاد فی النفس؟ فقال نعم قال مالک : اراهما اراد مثل الذی صنع عمر بن الخطاب فی عقل المدلجی حین اصاب ابنه۔

ترجمہ :۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار سے پوچھا گیا کہ کیا دیت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے' اگر جرم محترم مہینوں میں کیا گیا ہو۔ دونوں نے فتوے دیا کہ نہیں البتہ حرمت کی بناء پر اس میں اضافہ ہو گا۔ سعید سے کہا گیا کہ کیا زخموں کے بارے میں بھی یہ بات ہو سکتی ہے جیسا کہ نفس کے بارے میں ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح حضرت عمرؓ نے اونٹوں کی صفات میں اس وقت اضافہ کیا تھا جب مدلجی نے اپنے بیٹے کو مار ڈالا تھا' اسی طرح کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

وضاحت :۔ مدلجی کے بیٹے کے قتل کی دیت دلاتے وقت حضرت عمرؓ نے تعداد سو ہی رکھی تھی' صرف اونٹوں کی عمروں میں اضافہ کیا تھا اسی طرح محترم مہینوں کی حرمت کے لحاظ کرتے ہوئے اونٹوں کی صفات میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ لیکن تعداد سو ہی رہے گی۔

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن عروة بن الزبیر ان رجلا من الانصار یقال له احیحه بن الجلاح کان له عم صغیر هو اصغر من احیحه' وکان عند اخواله

فاخذه فقتله' فقال اخواله کنا اهل ثمه ورمه حتی اذا استوی علی عممه غلبنا حق امری فی عمه قال عروة فلذالک لا یرث قاتل من قتل۔ قال مالک: الامر الذی لا اختلاف فیه عندنا ان قاتل العمد لا یرث من دیه من قتل شیئا۔

ترجمہ :۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ انصار کے ایک آدمی احیحہ بن جلاح کا ایک چچا اس سے عمر میں چھوٹا تھا۔ وہ اپنے ماموؤں کے پاس رہتا تھا۔ اس کو احیحہ نے پکڑا اور قتل کر دیا۔ تو اس کے ماموؤں نے کہا کہ اسکے پوتڑے دھونے اور پالنے پوسنے کے لیے ہم تھے اور جب وہ جوانی کو پہنچا تو اس کے چچازاد ہم پر غالب آ گئے۔ عروہ کہتے ہیں کہ اسی لیے مقتول کا قاتل اس کی دیت کا وارث نہیں ہوتا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا اسکو دیت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اس مسئلہ میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

وضاحت :۔ دیت میں ماموں شریک نہیں ہوتے۔ جب مقتول کی دیت ملی ہو گی تو ماموؤں کو اس میں سے کچھ نہیں ملا ہو گا اس لئے انہوں نے کہا کہ دیکھ بھال تو ہم کرتے رہے اور دیت دوسرے یعنی اس کے چچازاد بھائی لے گئے۔

جامع العقل

حدثنی یحیی عن مالک عن ابن شهاب عن سعید بن المسیب و عن ابی سلمه بن عبد الرحمن عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: جرح العجماء جبار' والبئر جبار' والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس قال مالک و تفسیر الجبار انه لا دیه فیه' وقال مالک القائد والسائق والراکب کلهم ضامنون لما اصابت الدابه الا ان ترمح الدابه من غیر ان یفعل بها شیئی ترمح له وقد قضی عمر بن الخطاب فی الذی اجری فرسه بالعقل۔ قال مالک: فالقائد والراکب والسائق احری ان یغرموا من الذی اجری فرسه۔

ترجمہ :۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جانوروں کا لگایا ہوا زخم ہدر ہے' کنویں میں گرنے کا نقصان ہدر ہے' کانوں میں پیش آنے والا حادثہ ہدر ہے اور کان سے نکلنے والی معدنیات کا پانچواں حصہ بیت المال کا ہو گا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہدر کا مطلب یہ ہے کہ ان صورتوں میں دیت نہیں ہو گی۔ امام مالک کہتے ہیں کہ سواری کو چلانے والا' اس کو ہانکنے والا اور اس کا سوار سب کے سب اس نقصان کے ضامن ہونگے جو ان کا جانور دوسرے کو پہنچائے گا۔ بجز اس صورت کے جب جانور بدک جائے۔ بغیر کسی ایسے فعل کے جو بدکانے والا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے دیت دلوائی جس نے اپنا گھوڑا دوڑا دیا تھا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ جب گھوڑا دوڑانے والے کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا تو گاڑی چلانے والا اور سوار اور ڈرائیور تو بدرجہ اولی نقصان کے ذمہ دار ہونگے۔

وضاحت :- آنحضرتؐ کا فرمانا تو یہ ہے کہ جانور کا لگایا ہوا زخم ہدر ہے یعنی اس کی ذمہ داری کسی پر نہیں ہو گی کہ دیت دلائی جائے۔ لیکن امام مالک کا فتوے بظاہر اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جانور کی سواری کرنے والا نقصان کا ضامن ہو گا۔ اور اس کے لئے بنیاد وہ حضرت عمرؓ کے اثر کو بتاتے ہیں کہ انہوں نے اس شخص سے دیت دلوائی جس نے اپنا گھوڑا دوسرے پر دوڑا کر اس کو زخمی کر دیا تھا۔ ہاں اگر جانور از خود بدک کر کسی کو نقصان پہنچا دے تو مالک پر دیت نہیں ہو گی جب تک کہ اس نے کوئی بدکانے والا کام نہ کیا ہو۔ میرے نزدیک نبی ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جب جانور اپنے مالک کے کنٹرول میں نہ ہو یا کنویں پر متنبہ کرنے والا کوئی نہ ہو یا کان کسی وقت بیٹھ جائے اور جانی نقصان ہو جائے تو ان صورتوں میں غیر حاضر مالکوں کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کا اثر اس صورت کے لیے ہے جب جانور پر کوئی شخص سوار ہو اور وہ اس پر قابو رکھتا ہو۔ آج کل مشینی سواری آ گئی ہے جس کو ڈرائیور کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ اس کو پابند کیا جانا ضروری ہے کہ ایسے ہی غیر ذمہ داری میں لوگوں کو روندتا نہ پھرے۔ کسی کی جان لینے سے بہتر ہے کہ گاڑی کو روک لے۔ اگر نہیں روکتا تو اس پر دیت کی ذمہ داری ہونی چاہیے۔ اس کی عاقلہ کا معاملہ البتہ غور طلب ہے۔

ماجاء فی الغیله والسحر

دھوکے سے قتل کرنے اور جادو کرنے کے بارے میں

حدثنی یحیی عن مالک عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب قتل نفرا خمسته او سبعته برجل واحد قتلوه قتل غیلته' وقال عمر لو تمالا علیه اهل صنعاء لقتلتهم جمیعا۔

ترجمہ :- سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ایک پوری پارٹی کے آدمیوں کو جو پانچ یا سات تھے' ایک شخص کے بدلے میں قتل کر دیا' اس لئے کہ انہوں نے دھوکہ سے اس کو قتل کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر اس قتل میں صنعا کی پوری آبادی نے سازش کی ہوتی تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔

وضاحت :- دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قتل یمن کے شہر صنعاء میں ایک خاتون کے ایما پر ہوا تھا۔ اس میں کچھ لوگوں نے مقتول کو قتل کرنے کی سازش کی ہو گی' کسی نے دھوکہ سے مقتول کو کہیں بلایا ہو گا' کسی نے سواری مہیا کی ہو گی' کسی نے بہانے سے کچھ کھلایا پلایا ہو گا اور دوسروں نے قتل میں مدد کی ہو گی۔ حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں کو دھر لیا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر صنعاء کے تمام شہری اس سازش میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کرنے سے دریغ نہ کرتا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی قتل کی سازش میں جتنے لوگ شریک ہونگے وہ سب مجرم ہیں۔ صرف وہی شخص قصاص میں قتل نہیں ہو گا جس نے براہ راست قتل کیا' گلا گھونٹا' تلوار چلائی یا بندوق داغی۔ بلکہ سازش کرنے والا پورا طائفہ مجرم گردانا جائے گا۔ یہ بات قانون اور عقل کے مطابق ہے۔

حدثنی یحیی عن مالک عن محمد بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة انه بلغه ان حفصه زوج النبی صلی الله علیه وسلم قتلت جاریه لها سحر تهاوقد کانت دبر تها فامرت بها فقلتد قال مالک: الساحر الذی یعمل السحر' ولم یعمل ذالک له غیره هو مثل الذی قال الله تبارک فی کتابه ولقد علموا لمن اشتراه ماله فی الاخرة من خلاق: فاری ان یقتل ذالک اذا عمل ذالک هو نفسه۔

ترجمہ :- عبد الرحمن بن سعد بن زرارہ کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت حفصہؓ نے ایک لونڈی کو جس نے ان پر جادو کیا تھا' حالانکہ انہوں نے اس لونڈی کو مدبر کر رکھا تھا' قتل کر دیا۔ انہوں نے حکم دیا تو وہ قتل کر دی گئی۔

امام مالک کہتے ہیں کہ ساحر وہ ہے جو خود سحر کا عمل کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی دوسرا اس کے لئے یہ کام کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا۔ "کہ ان کو یہ علم تھا کہ جس نے اس کو (جادو کو) اختیار کیا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ جو کوئی خود یہ عمل کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

وضاحت :- اس روایت میں ایک مشکل ہے۔ راوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ حضرت حفصہؓ نے لونڈی کو قتل کر دیا یا ان کے حکم سے وہ قتل کر دی گئی۔ ظاہر ہے کہ حضرت حفصہؓ خود تو قتل نہیں کر سکتیں۔ انہوں نے قاضی یا حاکم کے آگے معاملہ پیش کیا ہو گا جس نے تحقیق کر کے قتل کا حکم دیا ہو گا۔ راوی صاحب نے واقعہ کو بیان کرنے میں معاملہ کی تفصیلات لپیٹ دی ہیں۔ میں نے بہت سی روایات دیکھی ہیں جن میں راوی حضرات اس طرح کی بے احتیاطی کر جاتے ہیں۔ ایسی روایات کو موقع کے لحاظ سے سمجھنا چاہیے۔

مدبر اس غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں جس کو اس کا مالک یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو گے۔ اس لونڈی نے سوچا ہو گا کہ معلوم نہیں مالکن کب تک زندہ رہے۔ اس نے حضرت حفصہؓ پر جادو کر دیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ کو اس جادو سے کچھ نقصان نہیں پہنچا لیکن اس کے باوجود معاملہ حاکم کے سپرد کر دیا جس نے اس لونڈی کو قتل کروا دیا۔ ظاہر ہے اس نے مجرد حضرت حفصہؓ کے کہنے پر تو قتل کا حکم نہیں دیا ہو گا۔ قانون کے مطابق تحقیق کی ہو گی۔ بہرحال یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجرد کسی پر جادو کرنا موجب قتل ہے۔

امام مالکؒ نے بقرہ کی آیت 102 نقل کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ جو کوئی جادو کا عمل کرے وہ موجب قتل ہے۔ بہرحال یہ ان کی رائے یا ان کا فتوے ہے۔

بقیہ غزوہ حنین

بقیہ اہل تحقیق کا بیان ہے کہ حنین اس وادی کا نام نہیں ہے جس میں جنگ پیش آئی تھی۔ حجاز میں کہیں اس نام کی وادی موجود نہیں۔ قیاس یہ ہے کہ مشرکین کے لشکر کے ساتھ لائے ہوئے مویشیوں کے بلبلانے' ڈکرانے اور ممیانے کے شور کے باعث جو کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کی وجہ سے قرآن مجید نے اس جنگ کو یوم حنین' سے تعبیر کیا۔ حنین کا لفظ جانوروں کے اس شور کے لیے معروف ہے۔

افادات فراہیؒ
خالد مسعود

تلاش نظم میں ممد اشارات

زمانہ نزول :۔

مختلف واقعات کے نظم کے متعدد پہلو ہو سکتے ہیں۔ نظم کی متلاشی کی ان پر نظر ہونی چاہیے۔ ان میں سے ایک پہلو ان واقعات کے زمانے کا قرب ہے۔ مثلاً دعوت کے ابتدائی زمانے کے واقعات اسی پہلو سے منظم ہیں اور ایک دوسرے سے ہٹ کر نہیں آتے۔ اسی طرح ہجرت کے موقع کے یا اس کے بعد کے واقعات ہیں۔ پھر مدینہ کی ریاست کے قیام یا فتح مکہ اور اس کے بعد کے زمانہ کے مسائل ہیں۔ یہ سب معلوم و مشہور اور نمایاں ہیں۔ اسی زمانی بنیاد پر علمائے سلف نے مکی و مدنی سورتوں کی تقسیم کی ہے یا بعض مکی سورتوں کی آیات کو مدنی اور بعض مدنی سورتوں کی آیات کو مکی کہا ہے۔ انھوں نے اس سے زیادہ تقسیم نہیں کی۔ اگر انہی کے اصول پر مزید غور کیا جائے تو ابتدائی دعوت کے امور' ہجرت سے پہلے اور بعد' یا فتح مکہ سے پہلے اور بعد کے زمانہ کے واقعات بھی پوشیدہ نہیں رہتے۔ البتہ ایک زیادہ مخفی پہلو پھر بھی باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے مستقبل سے متعلق آیات کا نظم۔ قرآن مجید میں اس بات کے اشارات موجود ہیں کہ اس امت کو مستقبل میں کیا حالات درپیش ہوں گے اور انھیں کس چیز کی حاجت ہو گی۔ صحابہ کرامؓ ان اشارات سے واقف تھے اور نبی ﷺ کے بعد پیش آنے والے واقعات میں ان کے مصداق بتایا کرتے تھے۔ ان اشارات کی نمایاں مثالیں سورہ ھود کی آخری آیات اور سورہ الحجرات میں موجود ہیں۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ واقعات جب تک سامنے نہ آ جائیں اس وقت تک اشارات کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ قلب صافی رکھنے والوں کے سوا دوسرے لوگ ان کے پیش آنے پر آیات کی دلالت پر متنبہ ہو پاتے ہیں۔ قلب صافی رکھنے والے اپنے علم کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو لوگ ان کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ ہود کی آخری آیات سربستہ راز رہیں۔ ان کے نظم پر جب تک غور نہ کیا جائے حقائق سے پردہ نہیں اٹھتا۔

موقع کلام :

ایک اور چیز جو فہم نظام میں مدد دیتی ہے وہ موقع کلام کا تعین ہے۔ موقع کے تقاضا کی دلالت ظاہر یا مخفی طور پر خود کلام میں موجود ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ اعلیٰ کی آیت 6 سنقرئک فلا تنسی (ہم تمھیں پڑھائیں گے تو تم نہیں بھولو گے) کے نظم کی طرف میری رہنمائی اس کے موقع پر غور کے بعد ہوئی۔ یہ اس وقت ممکن ہوا جب مجھے تسبیح کے مواقع کی طرف رہنمائی ہوئی۔ نبی ﷺ کو تسبیح کرنے کا حکم ایک تو اس موقع پر دیا جاتا جب آپ اپنی تعلیم کا اثر دیکھتے۔ آپ صحابہ کرام کے احوال پر نظر رکھا کرتے تھے۔ جب ان کو توقع کے مطابق پاتے تو اس پر آپ کے لیے شکر و حمد واجب ہوتی۔ اس کی مثال سورہ نصر میں موجود ہے۔ حسب ذیل آیت کا مضمون بھی یہی ہے۔

وتوکل علی العزیز الحکیم الذی یرٰک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین (الشعراء ۲۱۷ ـ ۲۱۹)

(اور خدائے عزیز و رحیم پر بھروسہ رکھو۔ اس خدا پر جو تمھیں دیکھتا ہے اس وقت جب تم اٹھتے ہو اور دیکھتا ہے تمھاری آمد و شد کو سجدہ کرنے والوں کے درمیان)

اسی بنیاد پر آنحضرت ﷺ کو اس وقت بھی تسبیح کا حکم دیا گیا جب آپ صحابہؓ کو نماز پڑھتے اور انفاق کرتے دیکھتے۔ انھیں حضورؐ کی نصیحت سے اپنے اپنے مقدور کے مطابق فائدہ ہوتا اور ان کی کیفیت وہی ہوتی جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے :

کزرع اخرج شطئہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع (الفتح ۲۹)

(جیسے کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی سوئی' پھر اس کو سہارا دیا' پھر وہ سخت ہوئی' پھر وہ اپنے تنا پر کھڑی ہو گئی کسانوں کے دلوں کو موہتی ہوئی)

کبھی نبی ﷺ کو تسبیح اور نماز کا حکم اس موقع پر بھی دیا جاتا جب جھٹلانے والوں کی مخالفت کے نتیجہ میں آپ کو ملال ہوتا۔ اس کا مقصد آنحضرتؐ کی تسلی' صبرو ثبات' تسکین اور اپنے موافق لوگوں کی طرف رجوع کرنے کی تلقین ہوتا۔ متعدد سورتوں میں اس موقع و محل کی آیات آئی ہیں۔

سورہ اعلیٰ کے زمانہ نزول میں یہ دونوں حالتیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ ہمیں اس سورہ میں دو گروہوں کا ذکر ملتا ہے۔ نبی ﷺ کی طبیعت پر اس چیز کا غلبہ تھا کہ مکذبین سے صرف نظر کرکے تلاوت قرآن اور نماز کے لیے اپنے آپ کو خاص کر لیں۔ لھذا آپ کو دونوں کام جمع کرنے کا حکم دیا گیا' یعنی یہ کہ شکر ادا کرنے کے لیے تسبیح کریں' اللہ سے مدد طلب کریں اور لوگوں کو نصیحت بھی جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں آپ کو تسلی دی کہ وہی ہادی اور کارساز ہے جو تمھاری دعوت کو مقبول بنائے گا اور تمھارا کام آسان کرے گا۔ کیونکہ وہی ہے جو مخلوق کو اس کی تقدیر کی طرف لے جاتا ہے۔ لوگوں میں سے بعض لوگ تمھاری یاددہانی سے فائدہ اٹھائیں گے اور دوسرے اس سے پہلوتہی کریں گے۔ پس تم اللہ کے شکرگزار بندے بن کر اپنے کام میں لگے رہو اور مخالفین کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی راہ پر چلتے رہو۔

فذکر ان نفعت الذکری (اعلیٰ۔۹) (پس تم یاد دہانی کرو اگر یاد دہانی کچھ نفع پہنچائے)

یعنی نہ ان کے پیچھے پڑو اور نہ انھیں بالکل چھوڑ دو کیونکہ یہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ہدایت یا محرومی اور فلاح یا بدبختی کی راہ اختیار کریں گے۔

اس طرح جب تم آیات کے ایک مجموعے کو غیر مربوط دیکھو گے اور بار بار اس پر غور کرو گے تو رب کے فضل سے کئی حقائق تک رہنمائی پاؤ گے اور بالاخر وہ مجموعہ آیات ایک تصویر کی طرح ابھر آئے گا۔ تب اس کا نظام تمام اجزاء سے مطابقت رکھتا ہوا تم دیکھ سکو گے۔

کلام کے موڑ:

قرآن کا نظام بیشتر واضح ہے لیکن بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں ربط کا پہلو مخفی ہوتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کلام نے دوسرا رخ اختیار کر لیا ہے۔ کلام کے یہ موڑ یا گرہیں نظام کے متلاشی کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کو لازماً متعین ہونا چاہیے' ان پر ڈیرے ڈالے جانے چاہیں اور ان پر کامل تدبر کیا جانا چاہیے۔

نظام پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے کلام کے یہ موڑ ہی پریشان کرتے ہیں۔ جب ان مواقع پر آیات کا ربط واضح ہو جائے تو پوری سورہ کا نظم روشن ہو جاتا ہے۔

نظم صحیح تاویل کی کلید ہے۔ مختلف تاویلات کے درمیان یہی فیصلہ کن چیز ہے۔ لہٰذا یہ لازم ہے کہ نظم کے تعین میں کسی سرسری چیز پر قناعت نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہرگز کمزور نظام کا حامل ہو سکتا اور نہ ہی نظام سے خالی ہو سکتا ہے۔ امام رازیؒ نے صحیح کہا ہے کہ قرآن کے لطائف اس کے حسن نظام سے ہاتھ آتے ہیں۔

بقیہ غزوہ حنین

مدینہ اگرچہ دارالحکومت تھا لیکن اس کی طرف ہجرت پر پابندی عائد کر دی۔ جبکہ اگر پیش نظر قریش کی انتظامی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا ہوتا تو ان کو مدینہ آنے کی پیشکش کی جاتی۔ آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ کے بقیہ دو سالوں میں مملکت کی مختلف ذمہ داریوں پر جن لوگوں کو تعینات کیا گیا ان کی مکمل فہرستیں تاریخ کی کتابوں میں دستیاب ہیں۔ ان کو دیکھ لیجیے۔ مہمات کے لیے برابر مہاجرین و انصار پر اعتماد کیا جاتا رہا۔ قریش کے نومسلموں میں سے تین چار سے زیادہ نام ایسے نہیں ملتے جن کو کوئی معمولی ذمہ داری سونپی گئی ہو۔ اگر پروفیسر واٹ کی رائے مبنی بر حقیقت ہوتی تو کیا گورنر اور کیا امرائے لشکر' ہر طرف قریشی سردار چھائے ہوئے دکھائی دیتے۔

جزیرہ نمائے عرب سے باہر نبی ﷺ نے اس وقت توجہ فرمائی جب حدیبیہ کی صلح ہوئی۔ آپؐ نے مختلف حکمرانوں کو اپنے گرامی نامے بھیجے۔ ان میں بھی جو مضمون مشترک ہے وہ رسالت کی ذمہ داری کے حوالہ سے اسلام قبول کرنے کی دعوت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جن حکمرانوں نے اسلام قبول کر لیا آنحضرتؐ نے ان پر قریش کو مسلط نہیں کیا بلکہ زمام اقتدار انہی کے پاس رہنے دی۔

جب کسی بھی اعتبار سے پروفیسر واٹ کا تھیسس ثابت نہیں ہوتا تو ہم یہ نتیجہ نکالنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ انھوں نے تعصب کی عینک چڑھا رکھی ہے اور ہر معاملہ کو اسی عینک سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ آخر انہیں یہ بھی تو سمجھنا چاہیے کہ ان کے بعض قارئین معاملات کو ان کی عینک سے نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہیں گے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 37 پر)

خالد مسعود

غزوہ حنین

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مکہ پر لشکر کشی رازدارانہ نہیں ہوئی تھی بلکہ تمام مسلمانوں کو اس مہم میں شامل ہونے پر ابھارا گیا تھا اور مہم کا ٹائم ٹیبل اتنا واضح تھا کہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان کے علاقہ میں آباد قبائل کے دستے راستے کی منزلوں پر لشکر میں شامل ہوئے۔ مہم کا ہدف اگرچہ معین و معلوم تھا لیکن قبیلہ ثقیف نے' جن کا مرکز مکہ سے آگے طائف تھا' اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو کر اپنے طور پر مسلمانوں سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے اس فیصلہ کے پیچھے قریش کے ساتھ ان کے تعلقات اور نبی ﷺ کے ساتھ ماضی میں بدسلوکی کے واقعات کام کر رہے تھے۔ طائف کے سرداروں کو مکہ میں بڑا احترام ملتا تھا۔ مکہ میں ان کے مکانات تھے۔ قریش کے ساتھ نہ صرف ان کے سیاسی و سماجی تعلقات تھے بلکہ رشتہ داریاں بھی تھیں۔ ان کی مالی حالت قریش کی طرح نہایت مستحکم تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی رسالت پر قریش کو جو اعتراضات تھے ان میں ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو رسول بنانا ہی چاہتا تھا تو اس منصب کے لیے اس نے دو مرکزی بستیوں کے کسی سردار کو کیوں منتخب نہیں کیا۔ ان دو بستیوں سے مراد مکہ اور طائف تھے۔ اسی طرح جب قریش کی عداوت حد سے بڑھ گئی اور مکہ میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو نبی ﷺ نے طائف میں جا کر قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ اس شہر کا انتخاب مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر عین فطری تھا۔ آپ کو توقع تھی کہ ممکن ہے کوئی سلیم الطبع سردار آپ کا ساتھ دینے پر تیار ہو جائے لیکن اہل طائف نے قریشی سرداروں کی پالیسی کے علی الرغم کوئی قدم اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ یہی نہیں بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو اذیتیں دے کر شہر سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اس پس منظر میں اہل طائف کو اگر کچھ اندیشے لاحق ہوئے تو اس کے اسباب موجود تھے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی اس مہم کے مقاصد میں طائف پر لشکر کشی شامل نہ تھی۔ آپؐ کی توجہ قبلہ کی آزادی پر مرتکز رہی اور آپؐ نے مکہ کو زیر کر کے وہاں اسلام کو قائم کرنے میں نہایت سکون کے ساتھ کام کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت چونکہ رازدارانہ نہ تھی بلکہ اس کی منزلیں اور اوقات معلوم تھے' اس لیے جب لشکر اسلام ابھی مرالظہران بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس سے پہلے عرج کی منزل پر ایک جاسوس پکڑا گیا۔ اس سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے بتایا کہ وہ قبیلہ ہوازن سے تعلق رکھتا ہے اور مسلمانوں کی مہم کے بارے میں چشم دید اطلاعات حاصل کرنے کے لیے اسے بھیجا گیا ہے۔ اس جاسوس نے انکشاف کیا کہ ہوازن اپنے نوجوان ثقفی سردار مالک بن عوف کی قیادت میں مسلمانوں کے

ساتھ ٹکر لینے کا فیصلہ کر چکے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے بعد انہی کی باری آنے والی ہے۔ جاسوس نے اپنی قوم کی منصوبہ بندی کی بعض تفصیلات بیان کیں اور یہ تک بتایا کہ ہوازن کے دو ذیلی قبیلے بنو کعب اور بنو کلاب اس مہم جوئی سے الگ ہیں' باقی تمام خاندانوں نے مالک بن عوف کی سربراہی پر اتفاق کر لیا ہے اور لشکروں کو جمع ہونے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ یہ انکشافات مسلمانوں کے لیے نہایت تشویش ناک تھے۔ تاہم نبی ﷺ نے اپنے اصل ہدف سے توجہ نہ ہٹائی اور ہوازن کے خلاف فوری اقدام مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ آپ نے جاسوس کو گرفتار کرکے ساتھ رکھا تاکہ دشمن کو اس کی مطلوبہ اطلاعات نہ پہنچ سکیں۔

مکہ میں قدم جمانے کے بعد آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ کو حکم دیا کہ وہ ہوازن کے علاقے میں جائیں اور وہاں چند روز مقیم رہ کر حقیقت حال کا مشاہدہ کریں اور مالک بن عوف کی جنگی تیاریوں کی خبر لائیں۔ عبد اللہؓ نے ایسا ہی کیا اور واپس آکر ان اطلاعات کی تصدیق کی جو پہلے جاسوس سے حاصل ہو چکی تھیں۔ انھوں نے بتایا کہ دشمن کی تیاری مکمل ہے اور وہ اوطاس کے علاقہ میں جمع ہو رہا ہے جو مکہ سے شمال مشرق کی جانب تین منزل کی مسافت پر واقع ہے۔ نبی ﷺ نے پیش قدمی کرکے اوطاس ہی میں ہوازن اور ثقیف کے خطرہ کو کچلنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ نے مجاہدین کو مہم کی تیاری کا حکم دیا۔ اہل مکہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے انھوں نے اظہار وفاداری کے لیے لشکر میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی ایک قلیل تعداد بھی لشکر میں شامل ہو گئی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے چار ماہ کی مہلت کا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اس طرح لشکر کی تعداد دس ہزار سے بڑھ کر بارہ ہزار ہو گئی اور اس کو مسلح کرنے کے لیے نبی ﷺ کو قریشی سردار صفوان بن امیہ سے ہتھیار مستعار لینے پڑے۔

5 شوال سنہ8ھ کو مکہ سے بارہ ہزار کا لشکر روانہ ہوا تو یہ اس دور کے لحاظ سے بہت بڑی قوت تھا۔ قدرتی طور پر مسلمانوں کے اندر فخر کا احساس پیدا ہو گیا کہ ہوازن و ثقیف اتنی بڑی نفری کے سامنے بھلا کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ مہم ایک مختصر جنگی کارروائی ثابت ہو گی۔ اس طرح کے خیالات ہوں تو آدمی میں غلط قسم کی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ معاملے کو ذمہ داری اور سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیتا۔ معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کے اندر بھی قدرے بے پروائی پیدا ہو گئی اور نظم و ضبط اور ہوشیاری کا وہ اہتمام باقی نہ رہا جو ان کا طرہ امتیاز تھا۔ دوسری طرف ہوازن نے اس جنگ کے لیے غیر معمولی اہتمام کیا۔ انھوں نے چار ہزار کی تعداد میں نفری تو جمع کر ہی لی تھی' اس کے اندر سرفروشی اور غیرت مندی کے جذبات پیدا کرنے کے لیے انھوں نے مال مویشی اور اہل و عیال بھی میدان جنگ میں جمع کر لیے تاکہ کوئی شخص میدان چھوڑ کر بھاگنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔

نبی ﷺ نے اپنے گھوڑ سوار جائزہ لینے کے لیے آگے بھیج رکھے تھے۔ ان میں سے ایک نے آکر اطلاع دی کہ میں نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ ہوازن پہاڑوں کے درمیان وادی میں اکٹھے ہوئے

ہیں اور ان کی خواتین' مال مویشی اور ریوڑ ان کے ہمراہ ہیں۔ نبی ﷺ نے تبسم فرمایا اور خوشخبری دی کہ ان شاء اللہ کل یہ سب کچھ ہمارے لیے مال غنیمت ہو گا۔ آپؐ نے اس رات وادی کی طرف کی گھاٹی پر ایک پہرہ دار مقرر کیا تاکہ دشمن رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر نقصان نہ پہنچا سکے۔ ہوازن تیراندازی میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ انھوں نے وادی کے اردگرد واقع پہاڑی دروں اور گھاٹیوں میں تیر انداز متعین کر دیے۔ اگلی صبح دھندلکے میں جب لشکر اسلام وادی میں داخل ہوا تو چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ اتفاق سے مقدمۃ الجیش میں جو مجاہدین شامل تھے وہ جنگی حفاظتی لباس میں نہ تھے' وہ اس یکبارگی حملے سے گھبرا کر تتر بتر ہو گئے۔ وادی زیادہ وسیع نہ تھی اس لیے وہ جدھر کا رخ کرتے دشمن ان کو تیروں کی باڑھ پر رکھ لیتا۔ اس صورت حال میں ان کو جائے فرار بھی کہیں سجھائی نہ دیتی تھی۔ بھگدڑ مچی تو نبی ﷺ وادی کے ایک طرف ہو گئے۔ آپ ایک خچر پر سوار تھے۔ آپؐ نے اپنی دائیں جانب دیکھ کر آواز دی اے گروہ انصار! انصار 'یا رسول اللہ' ہم حاضر ہیں' کہتے ہوئے آپؐ کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر آپؐ نے بائیں جانب توجہ کی اور پھر آواز دی اے گروہ انصار!۔ اس جانب سے بھی انصار لبیک کہتے ہوئے جمع ہو گئے۔ اسی طرح آپ نے حدیبیہ کے جان نثاروں کو بھی آواز دے کر اپنے گرد جمع کر لیا۔ آپ نے فوج کی صفیں درست کرکے باقاعدہ جنگ شروع کی۔ آپ خود جنگی رجز پڑھتے ہوئے مجاہدین کے ہمراہ آگے بڑھتے گئے اور دشمن پسپا ہونے لگا۔ جب گھمسان کا رن پڑا تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو داد دیتے ہوئے فرمایا 'اب تنور گرم ہوا ہے'۔ اس موقع پر آپؐ نے دشمن کی جانب خاک پھینکی اور فتح کی دعا کی۔ اللہ کے بندے جب اپنا فرض ادا کرنے سے غافل نہ ہوں' جو کچھ ان کے بس میں ہو وہ کر گزریں تو اللہ تعالیٰ کی مدد انھیں حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ہوازن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ مختلف سمتوں کو بھاگے۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ حنینؐ کے انہی دو مراحل جنگ کا تذکرہ قرآن مجید نے بدیں الفاظ کیا ہے:

لقد نصركم الله فی مواطن كثيرة ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شياء وضاقت عليكم الارض بمارحبت ثم وليتم مدبرين○ ثم انزل الله سكينته علی رسوله وعلی المومنين و انزل جنودا لم تروها و عذب الذين كفروا وذلك جزاء الكفرين ○ ثم يتوب الله من بعد ذلك علی من يشاء والله غفور رحيم○ (براءت ۲۵ ـ ۲۷)

(بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمھاری مدد فرمائی ہے اور حنین کے دن بھی جب کہ تمھاری کثرت نے تمھیں غرہ میں مبتلا کر دیا تو وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی' پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بالآخر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور ایسی فوجیں اتاریں جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی۔ اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔ پھر اللہ اس کے بعد جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا

اور مہربان ہے)

ان آیات میں جس غزوہ کا ذکر ہے یہ کثرت تعداد کا غرہ ہے کہ اتنے عظیم لشکر کو بھلا کوئی کیسے نیچا دکھا سکتا ہے۔ جنگ بدر کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے سورہ انفال میں اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ قریش کی مانند اپنی تعداد اور قوت پر اتراتے ہوئے کبھی میدان جنگ میں نہ اتریں۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ ہونا چاہیے نہ کہ اپنی قوت بازو پر۔ سورہ انفال میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ قریش جب مکہ سے نکلے تو شیطان نے ان کے دل میں یہ خیال جما دیا کہ لا غالب لکم الیوم من الناس (آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا) لیکن انھوں نے بدر میں جا کر دیکھا کہ تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے نہایت فروتر جماعت نے ان کے تمام کس بل نکال دیے۔ اوطاس کے لیے روانہ ہوتے وقت بعض لوگوں کی طرف سے اپنی تعداد پر فخر کا جو اظہار ہوا تھا اس سے سورہ انفال کی ہدایات کی خلاف ورزی ہوئی۔ اس پر سرزنش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آغاز جنگ میں اہل ایمان کو تشویش ناک حالات سے دوچار کیا۔ پھر جب ان کے اندر اثابت اور استقلال کی صفات ظاہر ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر مرئی لشکر اتارے اور اہل ایمان کو نصرت بہم پہنچائی جس کے مستحق تمام اہل ایمان ہوتے ہیں۔ یوں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مومنین کو فتح حاصل ہوئی۔

روایات میں جنگ میں شکست کا یہ سبب بھی بیان ہوا ہے کہ ابتداء میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی تھی۔ پھر جب وہ مال غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے تو کفار نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ ہمارے نزدیک یہ صورت واقعہ قرآن مجید کی آیات سے مطابقت نہیں رکھتی اس لیے پہلی توجیہہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ہوازن شکست کھا کر بھاگے تو تتر بتر ہو گئے۔ لشکر کا ایک حصہ نخلہ کی طرف فرار ہوا۔ اور دوسرا حصہ اوطاس کی طرف بھاگا جو وادی سے ذرا آگے واقع تھا۔ اس حصہ کا تعاقب ابو عامر اشعریؓ نے کیا اور اس کو زک پہنچائی۔ تیسرا حصہ سالار لشکر مالک بن عوف کے ہمراہ طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا۔ نبی ﷺ نے مال غنیمت اور عورتوں اور بچوں کو مکہ کے قریب جعرانہ کے مقام پر بھجوانے کا حکم دیا اور اس فریضہ کا ذمہ دار مسعود بن عمرو الغفاری کو بنایا جو جعرانہ کیمپ کے انچارج تھے۔ خود آپؐ نے مجاہدین کی بڑی تعداد کے ہمراہ طائف کا رخ کیا اور وہاں جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ اٹھارہ روز جاری رہا۔ اس دوران میں آپ نے گرد و نواح کے علاقہ میں مجاہدین کے دستے بھیج کر پورے علاقہ کو زیر کر لیا۔ جب آپؐ نے محسوس کیا کہ اب اس علاقہ میں اسلامی حکومت نے قدم جما لیے ہیں تو طائف کا محاصرہ اٹھا لیا کیونکہ اسلام کی وسیع مملکت میں کفر کے ایک جزیرے کے پنپنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وقت نے بتایا کہ آنحضرتؐ کا یہ فیصلہ درست تھا۔

مال غنیمت کی تقسیم:

طائف سے آنحضرتؐ جعرانہ تشریف لے گئے اور مال غنیمت کی تقسیم شروع کی۔ اپنے حصہ میں

سے آپ نے متعدد سرداران قبائل کو سو سو اور پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ ان میں غطفان کے عیینہ بن حصن' تمیم کے اقرع بن حابس اور قریش کے ابو سفیان' صفوان بن امیہ' حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو وغیرہ شامل تھے۔ اس داد و دہش کا مقصد لوگوں کو یہ پیغام دینا تھا کہ اسلام لانے کے بعد کفار کی ماضی کی مخالفانہ سرگرمیوں کا انتقام نہیں لیا جاتا۔ لوگوں کے ساتھ ان کے مرتبہ اور حیثیت کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا لوگ بے خوف و خطر اسلام میں داخل ہوں اور تحفظ بھی حاصل کریں اور عزت بھی۔ اس موقع پر آپؐ نے مالک بن عوف کا ذکر بھی فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو یہ تمام مراعات ان کو بھی حاصل ہوں گی۔ نبی ﷺ کے اس حسن سلوک نے سرداران قبائل اور ان کے پیروؤں پر یکساں اچھا اثر ڈالا۔ اس سے ان کو اسلام کے بارے میں یکسو ہونے میں مدد ملی۔ چنانچہ قریشی سرداروں میں سے جو ابھی تک سوچ بچار کی حالت میں تھے وہ جعرانہ میں مسلمان ہو گئے۔ صفوان بن امیہ کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تھے لیکن ان تحائف کے باعث آپ نے میرا دل جیت لیا۔ پھر جوں جوں میں آپ کے قریب آیا تو میرا یہ حال ہو گیا کہ آپ میرے لیے محبوب ترین شخص تھے۔ اصل میں برس ہا برس کی محاذ آرائی کے باعث اسلام اور مسلمانوں کے لیے بعض لوگوں کے دلوں میں بدظنی پیدا ہو گئی تھی۔ آنحضرتؐ کے افضال و عنایات نے اس تاثر کو زائل کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

مال غنیمت تقسیم ہو چکا اور قیدیوں کا معاملہ ابھی باقی تھا کہ ہوازن کا ایک نمائندہ وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے قبیلہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر لائے۔ یہ ملتمس ہوئے کہ ان کے قیدی اور اموال ان کو لوٹا دیے جائیں۔ بنو سعد قبیلہ' جس میں آنحضرتؐ نے اپنا بچپن گزارا تھا' کے لوگوں نے آپ کو بتایا کہ آپ کی رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں بھی قید میں ہیں۔ ان پر رحم کرتے ہوئے انھیں آزاد کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے ہوازن کے وفد کو بتایا کہ میں نے جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ کئی ہفتے تمہارا انتظار کرنے کے بعد میں نے تمہارا مال تقسیم کیا ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ پھر ہمارے قیدی آزاد کر دیے جائیں۔ حضورؐ نے مجاہدین سے خطاب فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی واپس کر دوں۔ آپ لوگ خوشدلی سے ایسا کر دیں تو اچھا ہو گا۔ جہاں تک مال کا تعلق ہے میں بنو عبد المطلب کو دیا ہوا مال واپس کرتا ہوں۔ دوسرے لوگ اگر یہ پسند کریں کہ ان کا حصہ ان کو ضرور ملے تو کسی آئندہ مال غنیمت میں سے میں ان کو ان کا حصہ واپس کر دوں گا۔ آنحضرتؐ کی اس اپیل کا یہ اثر ہوا کہ پورے لشکر نے سامان واپس کر دیا اور ہوازن اپنے بیوی بچوں کو آزاد کرا کے خوش خوش اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ عرب جاہلیت کے معاشرہ میں اس طرح کا حسن سلوک بالکل ناپید تھا لہٰذا مسلمانوں کے طرز عمل کا جو اثر ہوازن اور دوسرے قبائل پر' جن تک یہ خبر پہنچی ہوگی' پڑا ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

انصار کا شکوہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قبائل کے اکابرین کو مال و منال عطا فرما رہے تھے تو انصار کے بعض نوجوانوں نے اس کو اقربا نوازی سے تعبیر کیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ آپؐ اپنے قبیلہ کو نواز رہے ہیں اور ہمیں نظر انداز کیا جا رہا ہے حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔ جان دینے کا وقت ہو تو انصار کو پکارا جاتا ہے اور مال عطا کرنے کے لیے قریش ہیں۔ اس بات کا تذکرہ آنحضرتؐ سے کیا گیا تو آپؐ نے انصار کو اپنے خیمہ میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ آئے تو آپؐ نے پوچھا یہ میں تمہاری طرف سے کیا سن رہا ہوں۔ انصار کے اکابر نے عرض کی' یا رسول اللہؐ ہمارے لیڈروں میں سے کسی نے یہ بات نہیں کی البتہ کچھ نوجوانوں نے اس طرح کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "اے انصار میں جب تمہارے پاس آیا تو کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ نے تمہیں ہدایت دی۔ کیا تم محتاج نہ تھے تو اللہ نے تمہیں غنی کر دیا۔ کیا تم' باہم دشمن نہ تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔ انھوں نے جواب دیا' جی ہاں! اللہ اور اس کا رسولؐ ہمارے بڑے محسن ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر تم چاہتے تو یہ جواب دے سکتے تھے اور تم اس جواب میں سچے بھی ہوتے کہ ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ جب ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کو جھٹلایا جا چکا تھا۔ یہ ہم تھے جنھوں نے آپؐ کی تصدیق کی' آپ بے یار و مددگار تھے ہم نے آپ کی مدد کی' آپ کو جلا وطن کر دیا گیا تھا ہم نے آپ کو پناہ دی۔ آپ محتاج تھے ہم نے آپ کو دلاسا دیا"۔ خطاب کا یہ انداز انصار کو یہ حقیقت سمجھانے کے لیے تھا کہ ان کو اصل دولت جو ملی ہے وہ اسلام کی دولت ہے اور نبی ﷺ کی ذات کے لیے انھوں نے جو قربانیاں دی ہیں آنحضرتؐ دل سے ان کے قدردان ہیں لہٰذا ان کا یہ تاثر غلط ہے کہ قریش کے قرب کے باعث نبی ﷺ کی نگاہوں میں انصار کا مقام کم ہو گیا ہے۔

پھر آپؐ نے قریش کو دینے دلانے کی وضاحت فرمائی۔ آپؐ نے پوچھا' کیا تم نے میرے اندر کوئی دنیاداری محسوس کی ہے۔ میں نے ایک قوم کی تالیف قلب چاہی کہ وہ ایمان لے آئیں اور تمہارا معاملہ تمہارے اسلام پر اعتماد کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ قریش کے بھائی بند قتل اور قید ہوتے رہے ہیں۔ میں ان کے نقصان کی قدرے تلافی کرنا چاہتا تھا۔ اے انصار کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے کر رخصت ہوں اور تم اللہ کا رسولؐ اپنے گھروں میں لے جاؤ۔ اللہ کی قسم تم جو کچھ لے جاؤ گے وہ اس سے کہیں اچھا ہے جو دوسرے لوگ لے کر جائیں گے'۔ اس پر انصار نے یک زبان ہو کر کہا' یا رسول اللہ ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے انصار کے ساتھ یک جہتی کے اظہار کے لیے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے' اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا۔ اگر انصار ایک گھاٹی میں چلیں اور لوگ دوسری گھاٹی میں تو میں انصار کی گھاٹی ہی کو اختیار کروں گا۔ انصار میرا اصلی لباس ہیں اور دوسرے لوگ بیرونی پہناوا۔ اس کے بعد آپؐ نے دعا کی کہ پروردگار رحم فرما انصار پر' انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر' انصار

کے ساتھ محبت اور اپنائیت کے اس اظہار نے لوگوں کو اس قدر شرمندہ اور متاثر کیا کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔

جعرانہ سے مکہ جانے کے لیے نبی ﷺ نے عمرہ کی نیت سے احرام باندھا۔ مکہ پہنچ کر آپؐ نے عمرہ ادا کیا۔ علاقے کے امور ریاست چلانے کے لیے مکی قرشی نوجوان عتابؓ بن اسید کو عامل مقرر کیا اور معاذ بن جبلؓ کو ان کی رہنمائی کے لیے ساتھ چھوڑا۔ اس کے بعد آپؐ مدینہ روانہ ہو گئے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤسائے طائف میں سے عروہ بن مسعود ثقفی پہلے شخص تھے جو دوران سفر ہی حضورؐ سے آ ملے اور اسلام قبول کیا۔ مالک بن عوف کو اس کی توفیق بعد میں ملی۔ ان کے اسلام لانے پر نبی ﷺ نے انہی کو امیر علاقہ مقرر کیا۔

مکہ کی مہم کے مقاصد:

رسول اللہ ﷺ کی یہ مہم جس میں نہ صرف مکہ زیر نگیں آیا بلکہ طائف کی قوت بھی ختم ہو گئی اور پورے علاقہ میں مظاہر شرک کا خاتمہ کرکے اسلام کے نقوش ثبت کیے گئے' اللہ کے رسولؐ کی اس جدوجہد کا اصلی ہدف تھا جس کا آغاز آپؐ کی ہجرت اور پھر مدینہ کے دفاع کی جنگوں سے ہوا تھا۔ اس میں کامیابی کے بعد دوسرے اہداف ضمنی تھے۔ مثلاً" مختلف علاقوں اور قبائل میں دین کی تبلیغ اور دشمنوں کی گوشمالی۔ حضورؐ کی جدوجہد کو اس کے حقیقی پس منظر میں پیش کرنے کے بجائے مغربی محققین بالکل دوسرے تناظر میں پیش کرتے ہیں اور ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کے قارئین اس میں پیغمبرانہ اہداف کی جھلک دیکھنے کی بجائے اس کو ایک دنیا دار لیڈر کی تگ و دو کے طور پر دیکھیں۔ دور حاضر کے مشہور محقق منٹگمری واٹ' جن کو ہمارے دانشور بڑا انصاف پسند قرار دیتے ہیں' فتح مکہ کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ محمدؐ کے پیرو کم تھے۔ ان کو اپنے پیروؤں کو دشمنوں سے بچانے کی تدبیر یہ سوجھی کہ عربوں کو متحد کرنے کے بعد ان کا رخ عرب سے باہر کی جانب موڑ دیا جائے اور اس اسکیم میں مکہ کے لوگوں کے انتظامی تجربہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس منصوبہ پر عمل درآمد کرنے کے لئے انھوں نے اہل مکہ کو برانگیختہ کیا' ان کو گھبرایا' پھر ان سے صلح کر لی' پھر ان کو خوفزدہ کیا چنانچہ انھوں نے اسی خوفزدگی کے عالم میں ہتھیار ڈال دیے۔ خاص مکہ کو ہدف بنانے میں یہ مصلحت تھی کہ محمدؐ اس کو قبلہ قرار دے چکے تھے لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہاں آمد و رفت کی آزادی ضروری تھی۔ اس کی فتح سے محمدؐ کی عزت میں بڑا اضافہ متوقع تھا۔ نیز مکہ کے لوگ بڑی فوجی و انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے اور محمد کی ریاست کے رقبہ میں اضافہ کے بعد ضرورت تھی کہ یہ منتظم لوگ امور مملکت کو چلانے میں مدد دیں۔ فتح مکہ پر یہ تبصرہ جتنے بڑے شہرت یافتہ مورخ کے قلم سے ہے' اتنا ہی زیادہ غیر [illegible] ہے۔ ایسی باتیں حقائق سے آنکھیں بند کرکے غلط مفروضے قائم کرکے ہی کہی جا سکتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا معاملہ یہ ہے کہ آپ نے چالیس برس تک کی عمر میں کوئی قوم پرستانہ یا مصلحانہ

پروگرام پیش نہیں کیا حالانکہ نوجوانی کا زمانہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب آدمی کے اس طرح کے عزائم چھپے نہیں رہ سکتے۔ اس عمر میں وہ بڑے بڑے کام کر گزرتا ہے۔ چالیس برس کی عمر کو پہنچ کر بھی آنحضرتؐ جو پروگرام پیش کرتے ہیں اس میں عرب قوم کو اٹھانے اور اس کو رومیوں پر غالب کرنے کے مقاصد دور دور تک کہیں نظر نہیں آتے۔ اس پروگرام میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان اور اس کے تقاضے نمایاں مقام پاتے ہیں۔ تیرہ سالہ مکی دور میں آنحضرتؐ انہی تقاضوں کو بیان کرتے نظر آتے ہیں اور قریش ان پر عمل درآمد کو اپنے اقتدار کے لیے زبردست خطرہ اور اپنی پرتعیش زندگی کا خاتمہ سمجھتے ہیں۔ آنحضرتؐ پر ایمان لانا اپنی جان جوکھم میں ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔ اگر واٹ کا قیاس درست ہے تو اس دور میں نبی ﷺ قریش کو یہ یقین دہانی کیوں نہیں کراتے کہ میں تو عرب قوم کو اقوام عالم پر غالب کرنے کی جدوجہد کر رہا ہوں۔ تم میرا ساتھ دو۔ مکی دور میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب قریش نے یہ پیشکش کر دی کہ اگر آپ کو تاج و تخت چاہیے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔ اگر آنحضرتؐ کے پیش نظر بیرونی دنیا کو زیر کرنے کا مقصد تھا تو آپؐ نے اس پیشکش سے کیوں فائدہ نہ اٹھایا۔ ظاہر ہے کہ آپ توحید کی جو دعوت پیش کر رہے تھے اسکے سامنے کسی بھی اقتدار کو ہیچ سمجھتے تھے۔ آپؐ نے مکہ سے جلا وطنی قبول کر لی لیکن اپنی دعوت پر کوئی سمجھوتہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔

اہل مکہ کو برانگیختہ کرنے' گھبرانے' پھر صلح کرنے اور بالآخر ان کو شکست دینے کی کہانی بھی واٹ کی خود ساختہ ہے۔ وہ قریش اور اہل مکہ کو مظلوم اور مسلمانوں کو ظالم سمجھتے ہیں لہذا ان کے نزدیک تمام جنگیں گویا نبی ﷺ نے اہل مکہ پر مسلط کیں حالانکہ ہم نے اوپر دیکھا کہ غزوہ احزاب تک قریش نے یہود کے ساتھ مل بھگت کرکے مسلمانوں کے استیصال کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس دوران میں مسلمان برابر اپنا دفاع کرتے رہے۔ غزوہ احزاب میں شکست کے بعد البتہ قریش کا وہ دم خم باقی نہ رہا جس کا مظاہرہ وہ پہلے کرتے آئے تھے۔ پھر بھی ان کا غرور کم نہیں ہوا۔ اس کا بھرپور مظاہرہ انھوں نے حدیبیہ میں کیا۔ صورت حال میں بنیادی تبدیلی صلح حدیبیہ نے کی۔ اس کے نتیجہ میں اسلام اس قدر تیزی سے عربوں میں پھیلا کہ قریش کو اب اپنی حیثیت عربوں سے منوانے میں دقت پیش آنے لگی اور وہ شکست خوردہ ہو کر آنحضرتؐ کے قدموں میں آ گرے۔

جہاں تک مکہ کو ہدف بنانے کا تعلق ہے' تو یہ اس لیے نہیں تھا کہ آنحضرتؐ قریش کے انتظامی تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے بلکہ یہ اس لیے تھا کہ قریش اور اہل مکہ آنحضرتؐ کی دعوت کے مخاطب اول تھے۔ ان پر اتمام حجت ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت رسولوں کے مخاطبین کے باب میں یہ ہے کہ اتمام حجت کے بعد وہ فیصلہ کی میزان میں ہوتے ہیں۔ وہ ایمان لاتے ہیں یا ان کا قلع قمع کر دیا جاتا ہے۔ مکہ کی مہم کے نتیجہ میں قریش نے ہتھیار ڈال دیے تو آنحضرتؐ نے ان کو انتظامی ذمہ داریاں نہیں سونپیں بلکہ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے حرم کعبہ میں اپنے پہلے خطبہ ہی میں قریش کے مختلف خاندانوں کی سابقہ ذمہ داریوں کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور حرم کا کنٹرول خود سنبھال لیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 40 پر)

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

		روپے	پیسے
1	مجموعہ تفاسیر فراہی	264	00
2	حکمت قرآن	75	00
3	اقسام القرآن	00	00
4	ذبیح کون ہے	00	00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

		روپے	پیسے
1	تدبر قرآن (9 جلد)	2376	00
	(فی جلد)	264	00
2	مبادی تدبر قرآن	87	00
3	مبادی تدبر حدیث	72	00
4	حقیقت شرک و توحید	105	00
5	حقیقت نماز	45	00
6	حقیقت تقویٰ	45	00
7	[illegible]	00	00
	[illegible]	87	00
8	دعوت دین اور اس کا طریق کار	90	00
9	اسلامی قانون کی تدوین	60	00
10	اسلامی ریاست	00	00
11	اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	60	00
12	اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	87	00
13	قرآن میں پردے کے احکام	10	00
14	فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	90	00
15	[illegible]	72	00
16	مقالات اصلاحی جلد اول	114	00
	جلد دوم	00	00
	جلد سوم	00	00

فاران فاؤنڈیشن

[illegible] لاہور - 54600 - پاکستان

فون = 7595200